قد افلح من تزکّٰی و ذکر اسم ربہٖ فصلّٰی — القرآن الکریم

وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کر لیا اور اپنے رب کے نام کا ذِکر کیا پھر نماز کا پابند ہو گیا

ماہنامہ

المرشد

لاہور

مئی ۱۹۹۴ء

اویسیہ سوسائٹی۔ کالج روڈ، ٹاؤن شپ، لاہور۔ ۵۴۷۷۰

اداریہ

ہمیں نہ کسی اقتدار کی تمنا ہے نہ کسی تخت و تاج کی خواہش۔ ہم اللہ اللہ کرنے والے درویش لوگ ہیں۔ البتہ ہم یہ چاہتے ہیں اور اس مقصد کے لئے کام بھی کر رہے ہیں کہ اہل دل اور اہل درد مسلمانوں کو ایک جگہ جمع کر کے ایک ایسی قوت' ایک ایسی طاقت بنائیں جو اس بے راہ رو اور بے حس معاشرے کو یہ سوچنے پر مجبور کر دے کہ اسلام زندہ ہے اور کاروبار حیات میں پوری طرح قابل عمل اور قابل نفاذ ہے۔ ہم مسلمانوں کی سوچ و فکر کو زندہ کر کے اس میں نئی روح پیدا کر رہے ہیں۔ ایک نیا شعور دے رہے ہیں تا کہ وہ اپنا اصلی مقام پہچاننے کے قابل ہو سکیں۔ مسلمان کو یہ احساس دلا رہے ہیں کہ اس کا کام محض خالی سجدے کرنا اور ماتھا رگڑنا نہیں۔ نہ ہی مغرب کے غلاموں کی حکمرانی' ان کا طرز نظام اور ان کا طرز حیات قبول کر کے ان کی غلامی میں زندگی بسر کرنا ہے۔ ہم مسلمان کو غفلت کی نیند سے جگا کر منظم کر رہے ہیں تا کہ وہ برائی' بے حیائی اور ظلم کے خلاف ڈٹ کر کھڑا ہو سکے۔ حرام کاری' حرام خوری' رشوت و سفارش کے نظام کو مٹا سکے۔ اور ایسے قانون عملی طور پر نافذ کر سکے جس کے تحت ہر ظالم کا ہاتھ روکا جا سکے اور ہر حق دار کو اس کا حق بلا تکلیف اور بلا سفارش مل سکے۔ مسلمانو! اگر آج تم میں اتنی قوت پیدا نہ ہو سکی کہ میدان میں نکل کر یہ کام کر سکو تو یاد رکھو کل تک تمہاری اولاد اس قدر پس چکی ہو گی کہ آج جو دیکھ رہے ہو کہ غریب کی بہن بیٹی کی عزت تھانے لے جا کر لوٹی جاتی ہے کل کو سر بازار فخر کے ساتھ لوٹی جائے گی۔ محشر میں کیا جواب دو گے۔ ارے وہ تو دور کی بات ہے وہاں تک پہنچنے سے پہلے' اسی دنیا میں تمہاری نسلوں تک کو جواب دینے کے قابل نہیں چھوڑا جائے گا۔

تاج رحیم

پاکستان کی حکومت ٹھیکے پر

مولانا محمد اکرم اعوان

اللہ جل شانہ کا ایک بہت بڑا احسان مسلمانوں پہ اس ملک کی صورت میں اور اس خطہ زمین کی صورت میں ظاہر ہوا اور یہ اتنا بڑا انعام ہے رب کریم کا کہ جس کا ہم جتنا بھی شکر کرتے بہت کم تھا۔ لیکن ہوا یہ کہ اس نعمت پر شکر ادا کرنے کی بجائے ہم لوگوں نے صرف یہ نہیں کہ ناشکری کا راستہ اختیار کیا ہم لوگوں نے یہ سمجھا کہ یہ اللہ کا انعام نہیں ہے۔ شاید یہ ہمارا استحقاق ہے یا ہماری کوشش اور ہماری محنت کا نتیجہ۔ ہم نے اپنی طاقت سے' اپنے زور سے اپنے لئے ایک نعمت حاصل کر لی اور ہم اس کے لائق تھے اس کے مستحق تھے اور ہم نے اسے حاصل کر لیا۔

ایک بہت برا اثر جو ہوتا ہے نو آبادیاتی نظام کا وہ یہ ہوتا ہے کہ جب بھی یہ نو آبادیاتی نظام یا کولونیل سسٹم کہیں سے ختم ہوتا ہے یا ان لوگوں کو آزاد کیا جاتا ہے' آزادی دی جاتی ہے تو ملک کی باگ ڈور ان عناصر کے سپرد کی جاتی ہے جو اس حاکم قوم کے پروردہ ہوتے ہیں اس کی خاطر کام کرتے ہیں اس کے ساتھ رہتے ہیں ان کا جینا مرنا اٹھنا بیٹھنا سارا اس حاکم قوم کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے وہی اس کے جانشین بنتے ہیں۔ نو آبادیاتی ممالک کی دوسری مصیبت یہ ہوتی ہے کہ ان میں بکنے والے لوگ زیادہ ہوتے ہیں اسی وجہ سے وہ ملک غیر اقوام کے نو آبادیاتی نظام کے تحت آ جاتے ہیں کہ ان ممالک میں دین فروش' ملک فروش' قوم فروش لوگ بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ وہ باہر کی اقوام سے مالی فائدہ لے کر اپنی قوم کو اپنے ملک کو اپنے دین کو بیچ دیتے ہیں۔ آپ کو یہ بات اچھی طرح یاد رہنا چاہئے کہ بنگال سے لے کر کابل تک اور ہمالہ سے لے کر دکن تک برطانوی راج میں اس متحدہ ہندوستان میں چار ہزار سے کم انگریز تھے۔ یہ جتنی پوری آبادی ہے اس پر انگریز جو تھے وہ چھتیس سو یا اس کے لگ بھگ تھے۔ چار ہزار سے کم تھے اور یہ کروڑوں کی آبادی جو ہے اس پر حکومت کرتے تھے کس طرح سے؟ آپ نے دیکھا یہاں چپے چپے پر سر اور خان صاحب نواب صاحب اور نواب زادے ان کی جاگیریں' ان کی جائیدادیں اور ان کے مربعے اور ان کے آبائی انعامات یہ سارے سر اور نواب یہ جتنے تھے یہ صرف اس بات کی دلیل تھے کہ یہ انگریز کے وفادار غلام ہیں۔ اسی غلامی اور قوم کو بیچنے کی اجرت انہیں جاگیروں کی صورت میں' نقد انعامات کی صورت میں' خطابات کی صورت میں اور دوسری رعایتوں کی صورت میں دی جاتی تھیں ان چھتیس سو انگریزوں کا کمال نہیں تھا کہ انہوں نے پورے ملک کو باندھا ہوا تھا یہ کمال اس ملک کے رہنے والوں کا تھا کہ جہاں تک ان کی رسائی تھی وہ قوم کے ہاتھ پاؤں باندھ کر انہیں

انگریز ی بارگاہ میں کھڑا رکھتے تھے۔ انگریز کے جانے کے بعد ملک کی باگ ڈور انہی لوگوں کے ہاتھ آئی اور اب تک انہی کے پاس ہے۔ یہ سارے وہی لوگ ہیں اگر کوئی ایک آدھ باہر سے ان میں آ جاتا ہے تو اسے وہ کسی کونے کھدرے میں رگڑ رگڑ کر فٹ کر لیتے ہیں۔ وہ بھی ان جیسا ہو جاتا ہے۔ وہ جسے انگریزی میں کہتے ہیں نا ACCOMODATE کرنا یا ADJUST کرنا یعنی اس چیز کو رگڑ رگڑ کر سانچے میں پورا بٹھا دینا تو اس طرح کا ہو جاتا ہے اور کالونی ہوتی ہے ٹھیکے پہ چلائی جانے والی چیز۔ یہ جو کالونیل سسٹم ہوتا ہے یہ ایسے ہوتا ہے جیسے آپ کا کوئی کارخانہ ہے تو آپ اسے بجائے خود چلانے کے کسی کو ٹھیکے پہ دے دیتے ہیں کہ مجھے سال میں اتنے پیسے دے دو۔ تم جانو یہ کارخانہ جانے۔ تو کالونیل سسٹم جو ہوتا ہے وہ ٹھیکے پہ دیا جاتا ہے۔ انگریز وہاں بیٹھا تھا۔ اس کا ایک وائسرائے یہاں تھا۔ آگے اس نے مختلف نوابوں کو مختلف لوگوں کو مختلف حصے ملک کے بانٹ کر ٹھیکے پہ دے رکھے تھے۔ ہر جاگیردار، ہر ریاست والا، انگریز کو جو لگے بندھے پیسے تھے وہ دے دیتا تھا۔ کہیں کوئی شور شرابا ہوتا تو انگریز اس کی مدد کو یا اس کے فیصلے کرنے کو موجود ہوتا تھا اور یوں مقامی حکمران چھوٹے چھوٹے حکمران ٹھیکے پر اس ملک کو چلا کر اس کی ساری آمدن ایک جگہ بھیجتے رہتے تھے۔

لیکن جسے آپ اور میں آزادی کہتے ہیں یہ آزادی ہمیں کیا ملی، یہ ان ٹھیکیداروں نے آگے سلیٹ کر دیا۔ پہلے ٹھیکیداروں کے اوپر تو کوئی پوچھنے والا تھا۔ ملکیت کا دعویٰ تو انگریز کرتا تھا۔ اس نے وہ حقوق ملکیت جو تھے ہمارے، ہماری جانوں کے، ہماری اولاد کے، ہماری جائیداد کے، ہمارے دکھ اور سکھ کے، ہمارے دین اور مذہب کے بھی، وہ سارے حقوق اس نے ان ٹھیکیداروں کو دے دیئے اور ٹھیکیداروں نے آگے چھوٹے چھوٹے گروپ ٹھیکیداروں کے لئے بنا لئے۔ اب یہ ٹھیکیدار وفادار اسی کے ہیں۔ آپ اندازہ کیجئے۔ کتنا خوش نصیب ملک ہے یہ کہ دو بندوں میں جھگڑا ہو گیا۔ ایک صدر تھا ملک کا، ایک وزیراعظم تھا۔ میرے خیال میں اتنی گری ہوئی سطح پر تو دو پٹواری بھی نہیں لڑتے۔ تھوڑا سا انہیں بھی احساس ہوتا ہے کہ ہم عام دیہاتی نہیں ہیں۔ ہم حکومت کے ملازم ہیں۔ اور اس ملازمت کی کوئی تھوڑی سی آبرو مندانہ سی صورت ممکن ہے۔ ایک دوسرے کے خلاف درخواست دے دیں لیکن وہ شاید گلی میں کھڑے ہو کر ایک دوسرے کو گالی دینا گوارا نہیں کریں گے یعنی اگر دو پٹواری بھی ہوں تو وہ لڑیں تو شاید ایک دوسرے کے خلاف کوئی محکمانہ درخواست دے دیں، شکایت کر دیں، سر بازار گالیاں نہیں دیں گے۔ جب کہ ہمارے وزیراعظم تک نے ٹیلی ویژن پر ریڈیو پر حق و باطل اور کفر و اسلام اور چور اور بے ایمان تک کہا۔ اور جناب صدر نے بھی بڑی لمبی گردانیں پڑھیں اور وہ ساری میرے خیال میں ریکارڈ پر موجود ہیں جو پیپلزپارٹی کے حق میں انہوں نے پڑھیں۔ اور پھر مسلم لیگ کے حق میں جو گردانیں دوہرائی گئیں۔ تو میرے خیال میں یہ اتنا گھٹیا معیار ہے کہ ایک عام سرکاری ملازم کا بھی نہیں ہوتا۔ اس میں بھی تھوڑا سا رکھ رکھاؤ ہوتا ہے تو یہ صرف دو بندوں کی ذاتی لڑائی تھی۔ اس پوری لڑائی میں ملک کو ڈھال بنایا گیا۔ بات ذاتیات کی تھی کہ تم زیادہ فائدہ لے رہے ہو اور لوٹ کا حصہ مجھے کم آ رہا ہے اور تمہارے زیادہ بندے ملازم ہیں اور میرے کم ہیں۔ تمہارا بھائی زیادہ کام کروا لیتا ہے، میرے داماد کے کم ہوتے ہیں۔ جھگڑا اصل یہ تھا ورنہ کوئی ملکی سرحد پر دشمن نہیں بیٹھا تھا کہ جس کے لئے دونوں لڑ رہے تھے کہ کیا کیا جائے یا ملکی معیشت کو کوئی سہارا دیا جائے یا عام آدمی کس تکلیف میں ہے اس کا کیا سوچا جائے ایسا نہیں تھا اور یہ بڑے قوم کا بڑا دکھ کماتے ہیں، کھاتے ذرہ آرام سے ہیں۔ مثلاً" اب پریذیڈنسی دیکھ لیں اس پہ کتنا عرصہ لگا کتنی حکومتیں بدلیں اور کتنے ارب روپیہ لگا اسی طرح اسلام آباد میں وزیراعظم کا جو گھر ہے اس کی جو عمارت ہے صرف وہی کوئی بیاسی یا بانوے کروڑ کی ہے۔

ڈیکوریشن جو ہے۔ اس میں اندر جو کچھ لگائے گئے ہیں۔ جب بے نظیر نے خالی کی تو باتھ رومز کے جو پاٹس تھے وہ پچپن لاکھ کے بدلے گئے کہ جن برتنوں میں وہ پیشاب کرتی تھی ان میں اس وزیراعظم کا پیشاب خراب ہوتا ہے؟ پچپن لاکھ کے وہ پاٹس منگوائے گئے' بدلے گئے۔ باقی جو سیٹ اپ اور ڈیکوریشن اور جو چیزیں بدلی گئیں وہ الگ ہیں۔ کیونکہ انہیں زیادہ آرام کی اور زیادہ سہولیات کی ضرورت ہے۔ کیونکہ وہ ساری قوم کا دکھ کھاتے ہیں۔ آپ کو اپنا ایک مرض ہے تو آپ کو کتنے آرام کی ضرورت ہے؟ اگر آپ کو دس بندوں کی بیماری دیں تو یہ بے چارے تو بارہ کروڑ بندوں کا درد سہتے ہیں۔ ان کو ذرا زیادہ آرام کی ضرورت ہوتی ہے۔ اب اس لڑائی میں جو کچھ ہوا اسے تو بھول جایئے' چلو ہو گیا اس کا کچھ نہیں ہو سکتا۔ اس کی جگہ اب آپ کی بڑی خوش بختی ہے اللہ نے اس ملک پر بڑا احسان کیا کہ یہاں نوح علیہ السلام جیسا وزیراعظم بھیج دیا۔ اب دیکھئے اس سے بڑا انعام کیا ہو گا یعنی جو وزیراعظم آپ کے لئے چنا گیا اسے نوح علیہ السلام کی طرح سمجھو۔ مجھے مت دیکھیں اپنی عدالت کو آپ تو ایسے دیکھ رہے ہیں جیسے مجھے کھا جائیں گے۔ میں نے یہ جرم نہیں کیا یہ آپ کی عدالت کا حکم ہے کسی نچلے وکیل نے یہ رٹ کر دی تھی۔ ہائیکورٹ اس نے رٹ کر دی تھی کہ یہ بندہ جسے اس ملک کا وزیراعظم بنایا گیا۔ اسے پینتیس برس ہو گئے ہیں باہر رہتے اس کی بیوی ابھی تک غیر مسلم ہے اس کی اولاد غیر مسلم ہے اور اس کی بیٹیوں کی شادیاں غیر مسلموں سے ہوئی ہیں اور اس کے بیٹے غیر مسلم لڑکیوں سے شادی شدہ ہوں۔ یعنی اس کا پورا خاندان سارا غیر مسلم ہے۔ تو اس کو پکڑ کر آپ نے یہاں وزیراعظم بنا دیا جو اسلامی ملک ہے تو اسلامی ملک کی نگرانی کے لئے اس طرح کا بندہ جس کی عمر باہر بیت گئی اور جس کے مذہبی حالات یہ ہیں وہ کیسے اسلامی معیار پر لے آتا۔ بہرحال ہماری کورٹ نے یہ فیصلہ دیا اور پہلے ہی دن نپٹا دیا دلیل یہ دی جج نے کہ نوح علیہ السلام کی بیوی کافر تھی۔ نوح علیہ السلام کا بیٹا کافر تھا۔ یعنی یہ پاکستانی نوح علیہ السلام تھے۔ اس سے بڑی خوش قسمتی اس ملک کی کیا تھی کہ اسے اس دور میں نوح علیہ السلام کی مثال کا بندہ مل گیا تھا۔

سارے حالات جو ہیں وہ یہ ہیں کہ اس قوم میں وہ قوم فروش جو اسے نو آبادیاتی بنانے کا سبب بنے موجود ہیں۔ ان کے پاس ان کی جاگیریں بھی موجود ہیں ان کا اثر و رسوخ بھی موجود ہے اور جو کردار تھا ان کا وہ بھی موجود ہے۔ جس ایک خاص مکتب فکر کو ایک حلقے کو حکومت ملی۔ وہ بھی جوں کا توں موجود ہے اور ایک ایسا نظام بنا دیا گیا ہے کہ اس ملک کے اندر ان کے سکول الگ ہیں جہاں ان کے بچے پڑھتے ہیں آپ کبھی ان سکولوں کا نتیجہ بھی نہیں سن سکتے۔ ان کے داخلے کی شرائط بھی نہیں جان سکتے ان کے کسی طریقے کار کی کسی شہری کو ہوا نہیں لگنے دی جاتی اور سب سے مشکل ہے ان میں داخلہ اور سب سے آسان ہے ان میں رہنا اور انہیں پچاس پچاس کروڑ کی گرانٹ ملتی ہے کیوں کہ سارے ان کے بچے ہوتے ہیں اور یہ بچارے درد کے مارے لوگ ہوتے ہیں۔ ساری قوم کا درد سہ کر تھکے ہارے تو انہیں بہت زیادہ سہولیات وہاں بھی دی جاتی ہیں۔ فیل ہوتے ہیں یا پاس ہوتے ہیں یہاں سے باہر چلے جاتے ہیں۔ باہر خواہ یہ ڈانسنگ گروپ کے ساتھ ناچنا گانا ہی سیکھتے رہیں وہاں سے آئیں تو سیدھے اسمبلی یا کیبنٹ میں چلے جاتے ہیں وزیر بن جاتے ہیں ان کا دس فیل بچہ وفاقی وزیر ہو سکتا ہے آپ کا تین دفعہ ایم۔ اے کر لے کالج میں لیکچرر نہیں لگ سکتا اور یہ سارا نظام اپنی پوری آب و تاب سے پچاس سال سے چل رہا ہے۔ ہم وعظ کہتے رہے ہم جلسے کرتے رہے ہم فتوے دیتے رہے ہم تبلیغ کرتے رہے ہم چلے لگاتے رہے ہم ذکر کرتے رہے ہم مراقبے کرتے رہے۔ مگر کرنے کا کام کسی نے بھی نہیں کیا کہ اگر یہ ملک اللہ کے نام پر نصیب ہوا تھا تو اس کو چلانے والے لوگ بھی وہ ہونے چاہئیں جو اللہ کے پسندیدہ بندے ہوں۔ یعنی

ہم نے جتنی کوششیں کیں وہ ڈول نکالنے کی کوششیں تھیں۔ کوئی دیہاتی مولانا کے پاس گیا "کہ جناب ہمارا ایک ہی کنواں تھا گاؤں کا اور اس میں کتا گر گیا تو اس کا کیا کیا جائے اس میں تو کتا مر گیا ہے اور اسے دو دن ہو گئے ہیں بندے پریشان ہیں پینے کا پانی نہیں ہے۔" تو انہوں نے بتایا کہ "بھئی تین ساڑھے تین سو ڈول اتنی مقدار ہو ڈول کی اور تین سو ساٹھ ڈول نکالو تو اس کے بعد پانی پاک ہے۔" اس نے گاؤں میں منادی کر دی۔ لوگ جمع ہو گئے دبا دب لگ گئے اور تین سو ساٹھ ڈول نکالا اور کہا اب پاک ہو گیا۔ تو کسی نے کہا بھئی پہلے اس مولوی کو پلاؤ جس نے کہا ہے کہ تین سو ساٹھ ڈول نکالنے کے بعد پاک ہے۔ پہلے وہ پئے تو تسلی ہو جائے کہ واقعی پاک ہے۔ تو وہ ایک بالٹی بھر کے مولانا کے پاس لے گئے۔ انہوں نے دیکھا اس میں کتے کے بال رہے تھے۔ انہوں نے کہا یار تم نے تین سو ساٹھ ڈول نکال دیئے مگر اس میں کتے کے بال نظر آ رہے ہیں۔ کہنے لگے کتے کے بال تو آئیں گے کتا جو اس میں پڑا ہے۔ یعنی آپ نے ڈول نکالنے کو کہا تھا وہ ہم نے تین سو ساٹھ نکال دیئے۔ کتا تو وہیں پڑا ہے۔ بال تو آئیں گے۔ ہم تو ڈول نکالتے رہے۔ جب کہ ضرورت یہ تھی کہ پہلے کتے کو باہر نکالا جاتا۔ پہلے جو نظام حکومت تھا وہ جو انگریز کے جانشینوں کو ملک کی باگ ڈور مل گئی تھی اس سے گلو خلاصی دلا کر وہاں اللہ کے دین دار لوگوں اور شرفاء کو لایا جاتا۔

اسلامی نقطہ نظر سے شرافت اور غیر شریفانہ زندگی میں ایک معیار یہ ہے کہ وہ بندہ جتنا عنداللہ۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ جتنا وہ نیک متبع شریعت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع کرنے والا ہے اتنا وہ اچھا اور شریف آدمی ہے ان کے نزدیک جتنا انگریز سے قریب تر جتنا منہ ٹیڑھا کر کے انگریزی بولنے والا جتنا زیادہ انگریزی لباس اور جتنا زیادہ انگریزی تہذیب میں رنگا ہوا وہ اکبر الہ آبادی نے کہا تھا کہ۔

خدا کے فضل سے بیوی میاں دونوں مہذب ہیں
حیا اس کو نہیں آتی انہیں غصہ نہیں آتا

یعنی ان کے مہذب ہونے کا انداز یہ ہے کہ میاں ٹائی باندھ کر کہیں جھک مارتا پھر رہا ہو اور بیوی بال کٹا کر کہیں اور ڈانس کرتی پھرتی ہو۔ نہ اس کی حرکات میں کوئی حیا کی جھلک ہو اور نہ میاں صاحب کو اس پر غصہ آئے تو یہ سلجھا ہوا اور بڑا اچھے معیار کا انسان ہے اور اگر یہ نہیں ہے تو پھر یہ ہمیں آدمی نہیں کہتے مجھے اور آپ کو یہ آدمی نہیں کہتے ان کی اصطلاح ہے۔ LAY MAN بندے جیسا جانور ہو تو جانور دیکھنے میں وہ آدمی لگتا ہو۔ ان کی اصطلاح ہے LAY MAN اس کا لفظی ترجمہ تو بنتا ہے لیٹا ہوا آدمی بیمار آدمی کمزور آدمی مرا ہوا آدمی پڑا ہوا۔ ایک آدمی کا جسم لیکن مراد یہ ہوتی ہے کہ ایک جانور ہے جو بندے جیسا نظر آتا ہے اس کے کوئی حق نہیں اس کا کوئی مشورہ نہیں اس کی کوئی رائے نہیں کچھ بھی نہیں جب یہ تھوڑا سا دنیا کو دکھانے کے لئے ایک موسم آتا ہے الیکشنز کا تو اس میں بھی میری آپ کی رائے کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ ہو گا وہی جو یہ یا ان کے غیر ملکی حکمران یا آقا کرنا چاہتے ہیں اور پہلے سے اس کا فیصلہ ہو چکا ہوتا ہے۔ آپ ایک صندوقچی میں ووٹ ڈالیں وہ نکلتے دوسرے سے ہیں۔ کیا کر لیں گے آپ۔ جب آپ کی پرچیاں صندوقوں کے اندر ہی اندر سفر کرتی ہیں ان کا آپ کیا بگاڑ لیں گے۔ مجھے یاد ہے ایک دفعہ تقریر ہو رہی تھی مسلم لیگ کی یونینسٹوں کے خلاف۔ ملک کی آزادی کی بات چل رہی تھی تو مقرر نے یہ کہا تھا کہ انگریز نے تو اس قوم کا یہ حشر کر دیا ہے کہ جس طرح کمہار گدھوں کا کرتا ہے۔ اور وہ یہ کہ جو بڑے بڑے طاقتور گدھے ہوتے ہیں انہیں تو رسی ڈال کر ایک کلے کے ساتھ باندھ دیتا ہے اور ساتھ جو دس بارہ چھوٹے چھوٹے کھڑے ہیں ان کے اس طرح ٹھنے دبا دیتا ہے کہ ہلنے کے قابل نہیں رہتے۔ لگاتا کچھ نہیں اپنا رسی دھاگا خرچ نہیں کرتا۔ بڑا گدھا بندھا ہوا ہوتا ہے اور چھوٹوں کے تو اس نے خالی گٹے دبائے ہوتے ہیں وہ سمجھتے ہم بھی بندھے ہوئے ہیں۔ وہ

آرام سے کھڑے رہتے ہیں۔ مراد ان کی یہ تھی کہ بڑے بڑے جاگیرداروں کو تو انگریز نے جاگیریں دے کر غلام بنا لیا اور ہمیں آپ کو شاباشا کر کے ساتھ ملا لیا۔ دیا بھی کچھ نہیں۔ یہی نظام ان کا بھی ہے آپ ہر علاقے میں ہر قوم میں ہر برادری میں کوئی ایک چھوٹا موٹا سر انہوں نے بھی بنا رکھا ہوتا ہے ایک چھوٹا موٹا پیٹی ٹھیکے دار انہوں نے بھی بنا رکھا ہوتا ہے۔ اسے یہ چائے کی پیالی کبھی کبھی دے دیتے ہیں۔ زیادہ تو اس سے ہی آ کر پیتے رہتے ہیں۔ اس کے پینے کی باری کم آتی ہے۔ وہ اس پر بھی خوش رہتا ہے کہ میرے پاس آ کر پی تو جاتے ہیں تو وہ چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں اپنی برادری' رشتہ داروں' دوستوں کو قید کر کے ان کی معاونت کرتا رہتا ہے اور یہ نظام میرے آپ کے اور ہم سب کے اس غفلت اور غفلت سے بڑھ کر اگر صحیح کہا جائے' ہماری غیر ذمہ داری اور بددیانتی سے چل رہا ہے' ہم بددیانت ہیں ہم غیر ذمہ دار ہیں۔ ہماری وفائیں دین کے ساتھ' اللہ کے ساتھ' اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نہیں ہیں اور میں یہ محض بات نہیں کر رہا اس کے ساتھ ثبوت ہے آپ اندازہ کیجئے کتنی جماعتیں اس ملک میں دین کے نام پر بنیں۔ ان سب کا حاصل کیا ہے؟ انہوں نے حاصل کیا کیا؟ ٹارگٹ کیا تھا ان کا؟ صرف اقتدار میں حصہ داری۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں جتنی جماعتیں مذہب کے نام پر بنیں وہ جمعیت علمائے اسلام ہو وہ جمعیت علمائے پاکستان ہو جماعت اسلامی ہو یا منہاج القرآن ہو' پرانی ہوں یا نئی ہوں جس کو ایک آدھ ایم پی اے دو ایم این اے یا ایک آدھ اسمبلی کی سیٹ مل گئی یا ایک آدھ بندہ منسٹر بن گیا یا تھرو آؤٹ ایک بندے کا ایم۔ پی۔ اے یا ایم این اے بن جانا دفتروں میں آنے جانے کا ایک گیٹ کھل جاتا ہے۔ راستہ کھل جاتا ہے ایک تھرو آؤٹ ہو جاتا ہے تو جسے بھی وہ رن تھرو تھوڑا سا مل گیا اس کا کام ہو گیا اس سے آگے اس نے سوچا ہی نہیں حتیٰ کہ سپاہ صحابہ کتنی بڑی تنظیم بنی تھی۔ اور مولانا حق نواز مرحوم نے کتنی محنت اور مجاہدے کئے حتیٰ کہ وہ شریف بندہ تو جان بھی قربان کر گیا۔ مگر اب اس کی اچیومنٹ کیا ہے۔ ایک آدھ سیٹ لے لی اور بات ختم۔ اب اس ہاتھی کی لاش میں وہ بھی شریک ہو گئے کوئی ایک آدھ بوٹی انہیں بھی مل جاتی ہے اب ساری جدوجہد ان کی بھی یہی رہے گی کہ یہ سیٹ ہاتھ سے نہ جائے۔ یہ دو سیٹیں ہمارے ساتھ چلتی رہیں۔ حکومت کیسی ہے۔ ملک میں کیا ہو رہا ہے کون کیا کر رہا ہے۔ اس بات سے گئے۔ اس کے لئے ان کے پاس وقت ہی نہیں رہا۔ یہی حال پرانی جماعتوں کا ہے۔ وہ جماعت اسلامی ہو یا جمعیت علمائے اسلام ہو یا جمعیت علمائے پاکستان ہو جن کے پاس دو دو سیٹیں ایم این اے یا ایم پی اے کی ہیں۔ ان کی ساری محنت و مجاہدہ اس بات پہ لگ جاتا ہے کہ یہ ہمارے پاس رہ جائے۔ میں دیانت داری سے سمجھتا ہوں کہ یہ دین نہیں ہے نہ یہ دین کی خدمت ہے۔

میری ذاتی رائے میں دین یہ ہے کہ بندہ خود اقتدار کا لالچ نہ کرے بلکہ یہ قربانی دے کہ اقتدار دیندار لوگوں کے پاس ہو۔ بے دینوں کا اقتدار منظور نہیں اور جب تک وہ اقتدار میں شریک نہیں ہو گا تب تک اس کی ساری محنت اسی کام پہ لگی رہے گی۔ اس کا جو ٹارگٹ ہے وہ یہی رہے گا۔ لیکن جب اقتدار میں اسے' ایک کرسی تو بڑی بات ہے ایک پیڑھی بھی مل گئی وہاں بیٹھنے کی۔ پھر اس کی کوشش یہ ہو گی کہ میری یہ پیڑھی نہ چھن جائے اور کچھ بھی ہو یہ ہمارے پاس ہماری جماعت ہماری پارٹی کے پاس یہ سیٹ رہنی چاہئے مجھے بڑا دکھ ہوتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ہمارے اس پورے ملک میں اگر ایسی کوئی جماعت ہے تو وہ تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کی ہے۔ کتنے مزے کی بات ہے۔ جس کی تاریخ یہ ہے کہ جب سے بنا ہے تب سے لے کر آج تک کبھی نافذ نہیں ہوا یعنی جب سے یہ فقہ بنی ہے یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ بڑے بڑے شیعہ حکمران بھی گزر گئے لیکن اس شیعہ فقہ کو نافذ نہ کر سکے حتیٰ کہ آج کی ایرانی حکومت بھی مغربی طرز پہ جیتی ہے۔ اس کے باوجود جو تحریک

اس ملک میں بنی نفاذ فقہ جعفریہ کے لئے اس نے اسمبلی میں جانے کی کوشش نہیں کی۔ ہمارے دوست کہتے ہیں کہ ان کے پاس اتنے ووٹ ہی نہیں تھے۔ لیکن میں یہ بات نہیں مانتا۔ یہ مغالطہ ہے وہ اپنے طور پر صحیح سمت میں چل رہے ہیں۔ ان کی سوچ ہے کہ اسمبلی میں بیٹھیں گے تو پھر اسی سیٹ کا تحفظ کرنے کی ساری طاقت اس پہ خرچ ہو جائے گی۔ اسمبلی میں بیٹھنے کی بجائے وہ باہر سے اتنا دباؤ ڈالتے ہیں کہ ان کے بندے جو ہیں وہ اسمبلی میں بیٹھ کر کام کرتے رہتے ہیں۔ باہر رہ کر ان کا اتنا دباؤ ہے کہ آپ کے ملک میں دو پارٹیاں ہو گئیں تو دونوں کی قیادت اور دونوں کے کرتا دھرتا شیعہ ہیں۔ غلام اسحاق خان کی مہار بھی اجلال حیدر زیدی کے ہاتھ میں رہی اور ادھر بھی بال بچے سمیت فخر امام جیسے حضرات نواز شریف کی نکیل تھامے ہوئے ہیں اور ان کے پیچھے وزن کس کا ہے تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کا۔ ان کے پیچھے بھی ان کے پیچھے بھی۔ اور پیپلز پارٹی تو مکمل ان کی گرفت میں ہے۔ ہمارے یہاں کوئی تسبیح والا بھی آتا ہے تو وہ بھی وہاں جا کر گم ہو جاتا ہے اور میں نے اچھے بھلے شریف علماء کو دیکھا۔ اتنی بڑی بڑی داڑھیاں تھیں۔ اب دیکھیں تو وہ فرنچ کٹ ہو گئی ہیں۔ جوں جوں ادھر سے مال آتا گیا توں توں انگریزیت اوپر چڑھتی گئی۔ چلو انہوں نے پتلون نہیں پہنی مگر واسکٹ کا کٹ جو ہے فرانسیسی سا ہو گیا۔ داڑھی کا کٹ فرنچ ہو گیا۔ بالوں کا حلیہ انگریزی ہو گیا ٹائی نہیں باندھی تو رومال بھی نہیں باندھا۔ پھر ایک درمیانہ راستہ کوئی ٹوپی ووپی ایسی اختیار کی جو درمیان میں لے آئے کہ بالکل اس طرح کے نہ لگیں یعنی وہ بجائے اس کے کہ وہاں کوئی تبدیلی لاتے وہ خود تبدیل ہونے لگ گئے کوئی ایک نہیں جسے جی چاہے دیکھ لو اور جو دو چار رہ رہے ہیں انہوں نے بھی اپنی خیر اس حلئے میں سمجھی کہ اس پر بینیفٹ مل رہے ہیں ورنہ دین کے لئے ملک کے لئے قوم کی رہنمائی کے لئے کرنے کے قابل کوئی بھی نہیں رہا کہ ان کی وہ جو کوششیں ہیں پھر جو انہیں چھوٹا سا بھی حصہ ملا ہے اس کے تحفظ میں لگ گئے اور کتنے دکھ کی بات ہے کہ اس پورے ملک میں اگر اس صورت اور اس سوچ کے ساتھ کوئی تحریک کام کر رہی ہے تو وہ جو اس ملک سے اسلام کو رخصت کرنا چاہتی ہے جو اسلام کے نام پر کفر کو رائج کرنا چاہتی ہے تو فرمایئے اس میں میرا اور آپ کا' ہم سب کا کیا کردار ہے؟ کیا کر رہے ہیں آپ؟

یہ صحیح بات ہے کہ اللہ نے ہمیں نمازیں ادا کرنے کی توفیق دی۔ اس کا احسان ہے اس نے ہمیں ذکر کرنے کی توفیق دی۔ یہ اس کا بہت بڑا احسان ہے اس نے ہمیں مشاہدات سے مکاشفات سے نوازا۔ اس کا بہت بڑا احسان ہے لیکن کیا ان سب چیزوں کا محاسبہ اس انداز سے نہیں ہو گا کہ تجھے تو میں نے سجدوں کی توفیق دی تھی تو نے میدان عمل میں کیا کیا؟ یہ جو نماز نہیں پڑھتا اس بدنصیب کو تو میں نے اپنے دروازے پہ پیشانی رکھنے کی توفیق بھی نہیں دی اگر اس نے سستی کی تو ایک بات سمجھ میں آنے والی ہے کہ یہ تو محروم قسمت تھا تو جب سجدے کرتا تھا تو تو نے کیا کیا قیام اسلام کے لئے؟ تجھے اگر مشاہدہ اور مکاشفہ حاصل تھا تو کیا اسے سینما کی طرح انجائے کرتا رہا یا تیری عملی زندگی میں اور تیرا مال' تیری جان' تیری کوششیں' تیرا کلام کس کام آیا؟ آپ اس قوم کو دیکھئے۔ قوم کا مزاج قوم کے ادیب' شاعر اور دانشور ہوتے ہیں۔ میں اگلے دن ادیبوں کو دیکھتا رہا ٹیلی ویژن پہ بہت سارے جمع تھے۔ شعراء اور ادیب عطاء الحق قاسمی سے لے کر وہ بڑے قاسمی صاحب تک کو میں نے دیکھا قد مختلف تھے زبان یا مضمون اپنا تھا لیکن حلیہ وہ ۔

کوے ہیں سب دیکھے بھالے چونچ بھی کالی رنگ بھی کالے
کالی کالی وردی سب کی ایک ہی رنگ کی ایک ہی ڈھب کی

سر سے پاؤں تک انگریزی چھاپ ہو بہو لگی ہوئی تھی۔ بڑے مزے کی بات ہے کہ بات اردو ادب کی ہو رہی تھی۔ نظمیں اردو کی پڑھی جا رہی ہیں۔ غزلیں اردو کی پڑھی جا رہی ہیں۔ ادب پارے اردو کے۔ صورتیں انگریز جیسی بڑے شرمندہ شرمندہ منہ' نہ کسی پر مونچھ کا نشان' نہ داڑھی کا

نشان' پھر بھوؤں تک کاٹے ہوئے اور پلاننگ کی ہوئی اور بال مٹی کلر آدھا سر یہاں سے کالا ہے یہاں سے پیلا ہے یہاں سے نیلا کیا ہوا بالکل جو انگریز عورتوں کا طریقہ ہے آپ اپنے ان بزرگوں میں دیکھئے۔ میں مذاق نہیں کر رہا۔ مجھے یہی کچھ نظر آیا ہے۔ ذرا دیکھیں نذیر کاشمیری کو' اپنے قاسمی صاحب کو دیکھیں' تو انہوں نے یہاں سے کنپٹیاں سفید چھوڑ کر اوپر سے کالے اور بلیو بلیک کئے ہوئے ہیں۔ وہ انگریز عورتیں مٹی کلر آج کل کرتی ہیں کہ ایک سر میں کئی رنگ نظر آئیں۔ تو ہمارے بزرگوں نے ان کی اتباع کو بڑی سعادت سمجھا ہے۔ یہ قوم کے دانشور ہیں۔ جو مزاج ہوتے ہیں۔ جو قوم کی آنکھیں بننے کے مدعی ہوتے ہیں کہ وہ قوم کو راستہ دکھاتے ہیں۔ حکمران ویسے ہیں اور دانشور ایسے ہیں۔

پیچھے رہ گیا ہمارا روحانی پیشواؤں کا طبقہ۔ میں کہیں سے گزر رہا تھا تو مجھے ایک جیل نما عمارت نظر آئی۔ بڑی بڑی بیس بیس فٹ اونچی دیواریں جو مٹی کی بنائی گئی تھیں۔ اس کے اوپر پول لگے ہوئے' ان پر بجلی کی تاریں لگی ہوئیں' گویا اس پر الیکٹریفیکیشن کی گئی تھی کہ کوئی اندر باہر آ جا نہ سکے۔ ان تاروں میں بجلی چھوڑی جاتی تھی۔ تین چار مربع جگہ پر تھی تو میں سمجھا یہ کوئی سب جیل ہے۔ کوئی ایسی جیل اس جگہ سنی نہیں۔ میں نے ساتھ والوں سے پوچھ لیا کہ بھئی یہ کونسی جیل ہے اس سڑک پر؟ تو کہنے لگے جی یہ جیل نہیں ہے۔ یہ پیر صاحب کے کتوں کے دوڑنے کی جگہ ہے۔ کہنے اس چار دیوار میں دوڑائے جاتے ہیں۔ کہنے لگے یہاں بڑا مزے دار کام ہے۔ وہ کونے پہ دیکھیں آپ۔ یہ بلڈنگ ہے اس میں سارا سیٹ اپ ہے۔ مووی کیمروں کا اور یہاں کتے جو ہیں وہ لاکھوں کی شرط لگا کر دوڑائے جاتے ہیں اور اس کے اندر گلیاں بنی ہوئی ہیں اور ان میں چھوٹے چھوٹے سوراخ ہیں اور پیچھے کھیت ہیں۔ اس طرف اس مکان کے ساتھ ان کھیتوں میں فصلیں بوئی جاتی ہیں۔ ان میں خرگوش پکڑ کر چھوڑ دیئے جاتے ہیں اور وہ دو کتے جن کا مقابلہ ہوتا ہے یا تین خرگوش چھوڑ کر اس کے پیچھے کتے چھوڑے جاتے ہیں اور اگر پکڑا گیا تو پکڑا گیا۔ نہیں تو آگے آ کر پھر چھوٹا سا سوراخ ہے اس میں سے خرگوش گزر جاتا ہے کتا نہیں گزر سکتا وہ اس سوراخ کے اندر چلا جائے تو بھول بھلیوں سے ہوتا ہوا خرگوش واپس انہی کھیتوں میں پہنچ جاتا ہے۔ اور وہ سارا کھیل وہ جو کمرہ اس میں مووی کیمرے لگے ہوئے ہیں ایک ایک حرکت ان کی وہ نوٹ کرتے جاتے ہیں۔ پھر وہ ٹیلی ویژن پہ اسے REPLAY کرتے ہیں۔ پیر صاحب یہ فیصلہ دیتے ہیں کہ کونسا کتا جیت گیا اور کونسا ہار گیا۔ کس کی شرط کون جیتا اور کون ہارا۔ یوں جس پہ کئی لاکھ بندے جس زمین پہ پل سکتے تھے اس پہ چند کتے جو ہیں ان کے دوڑانے اور ان سے جوا کھیلنے کا اہتمام ان پیسوں سے کیا جاتا ہے جو آپ اللہ کے نام پر پیروں کی نذر کرتے ہیں۔ انہیں کوئی گورنمنٹ ایڈ نہیں دیتی اس کام کے لئے۔ کچھ آپ دیتے ہیں کچھ گیارھویں شریف کے نام پر' کچھ عرس شریف کے نام پر' کچھ نذر نذرانے کے نام پر' کوئی بچے کی بیماری سے صحت کے لئے' کوئی بیوی سے جھگڑے سے بچنے کے لئے' کوئی کاروبار میں منافع کے لئے' جو چیزیں آپ جا کر دیتے ہیں یہ ان کا مصرف ہے اب جو بندہ اتنی موج میلے میں بیٹھا ہوا ہے اگر قوم ڈوب رہی ہے یا بچ رہی ہے اسے فرصت ہے؟ اس کے پاس وقت ہے؟ کون کیا کر رہا ہے؟ اس سارے بگاڑ کا میں اور آپ' ہم سب ذمہ دار ہیں۔ یہ سب کچھ اس ملک میں ہمارے ارد گرد ہو رہا ہے اور ہم مزے سے دیکھ رہے ہیں۔ جو بہت بڑا پارسا ہے وہ کہتا ہے کہ اے اللہ تو کر دے اگر اللہ نے ہی کرنا ہے تو تو زمین کے سینے پر بوجھ کیوں ہے؟ اللہ تو قادر ہے جب چاہے گا کرے گا لیکن اللہ کو تجھے خلافت دینے کی کیا ضرورت تھی۔ تجھے مکلف کیوں بنایا تجھے کیوں ہاتھ پاؤں آنکھ ناک کان دیئے اور تجھے کیوں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسا نبی دیا اللہ نے۔ ابرہہ کے لئے ابابیل بھیج دیئے تھے چونکہ اللہ کے ماننے والے یا اللہ کی وہ فوج جو عشق محمد رسول اللہ کے سپاہی ہوں وہ نہیں تھے اور اہل مکہ نے کہہ

دیا کہ بار الٰہا ہم سے ابرہہ تکڑا ہے تو جان تیرا گھر جانے اور ابرہہ جانے یہی ہوا تھا اس نے ابرہہ کے لئے ابابیل بھیج دیئے۔

آج امریکہ کی یہودی فوج، سعودی عرب میں گئی اور چودہ سو سال بعد پہلی دفعہ سعودی عرب کے ساحل پر خنزیروں کے جہاز لگے۔ سعودی زمین پر عرب کی زمین پر کاٹے گئے اور عرب کی زمین پر پکا کر کھائے گئے اور حرم مقدس کی زمین میں چودہ سو سال بعد کافروں نے دندنا دندنا کر وہاں سیر کئے۔ اللہ نے کوئی ابابیل نہیں بھیجے۔ اس کے پاس آج کل ابابیل نہیں ہوتے کیا؟ اب وہ حساب مجھ سے اور آپ سے لے گا ابابیل نہیں بھیجے گا۔ اب اس نے ہمیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسا نبی دے کر تیس پارے قرآن حکیم دے کر جہاد کی تعلیم اور جہاد کو فرض کر کے اور ہمیں نور ایمان اور اپنی محبت دے کر اس نے مبعوث کر دیا ہے۔ پیدا کر دیا ہے۔ اس لئے کہ اب یہ کام ہماری ذمہ داری ہے۔ ہم نہیں کریں گے تو بیت اللہ گر جائے گا۔ ابابیل نہیں آئیں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایک لنگڑا یہودی اس بیت اللہ کو گرا دے گا اور اس کے پتھر الگ الگ کر کے پھینک دے گا اور اللہ کا ذکر یہاں سے ختم کر دے گا اور وہی وقت ہو گا کہ جب قیامت قائم ہونا شروع ہو جائے گی اور بیت اللہ کے گرنے کے بعد زمین پر قیامت۔ جب اللہ کی گرفت آئے گی تو پھر ارض و سماء سب تباہ ہو جائیں گے، پھر قیامت قائم ہو جائے گی۔ اب بیت اللہ کو بچانے کے لئے ابابیل نہیں بھیجے گا۔ وہ ابابیل میں اور آپ ہیں۔ ہمیں انڈے بچے دینے سے ہی فرصت نہیں دانہ چگنے سے ہی ہمیں فرصت نہیں۔ ہر مسلمان یہ سمجھتا ہے کہ اسے دو وقت کی روٹی مل جائے اور اس کے اپنے بچے خیریت سے ہوں تو سب خیریت ہے باقی ٹوٹی پھوٹی دو وقت کی نماز پڑھ لی جائے۔ بہت بڑا نیک کام کیا تو کسی پیر کو نذرانہ دے دیا۔ یہ کونسا اسلام ہے؟ جو مسلمان اسلامی زندگی اپنا نہیں سکتا جو مسلمان بقائے اسلام کے لئے قربانی نہیں دے سکتا جو مسلمان بقائے اسلام کی فکر نہیں کرتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مطابق فرمایا جس کے دل میں یہ تمنا بھی پیدا نہ ہو کہ میں بھی اللہ کی راہ میں کام آ جاؤں اور اسلام کو زندہ کر جاؤں **فَقَدْ مَاتَ مُوْتَتہ الجاہلیتہ** وہ اس موت مرتا ہے جیسے میرے مبعوث ہونے سے پہلے جہالت کی موت لوگ مرا کرتے ہیں۔ گویا اسے ہوا بھی نہیں لگی اسلام کی بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اور دین برحق کی۔ یعنی وہ اس حال میں مرا جس حال میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے لوگ مرا کرتے تھے۔ تو میں اور آپ کب کام آئیں گے؟ ہے کسی کے پاس زندہ رہنے کا سرٹیفکیٹ۔ ہے کسی کے پاس یہ سند کہ وہ اگلا سورج بھی طلوع ہوتا دیکھے گا۔ نہیں ہے تو جو لمحے ہیں۔ انہیں تو کسی کام میں لاؤ۔ اور اس ملک میں الیکشن کی نہیں جہاد کی ضرورت ہے۔ الیکشن میری اور آپ کی ضرورت نہیں۔ یہ الیکشن اس طبقے کی ضرورت ہے جو اس ملک پہ حکومت کرنا چاہتا ہے۔ جو اس ملک کا پانی نہیں پیتا۔ فرانس سے پیرس سے پانی آتا ہے۔ اور ہمارے حکمران یہاں بیٹھ کر پیتے ہیں۔ اس ملک کا نہیں پیتے۔ مرتے ہیں تو وصیت کر جاتے ہیں کہ ہمیں دوسرے ملک میں دفن کیا جائے اور دیکھو کتنے وفادار ہیں اس ملک کے سپاہی بھرتی ہوا جرنیل بنا کمانڈر انچیف رہا گورنر رہا پورے مغربی پاکستان کا اور مرتے دم تک کوئی ایک صدی کا ہو کر مرا اور مرا بھی بلوچستان کے گورنر ہاؤس میں جنرل محمد موسیٰ خان۔ مرنے کے بعد کفن سرکاری لاش اٹھانے والا جہاز بھی اسی ملک کا لیکن اس نے کہا اس ملک کی مٹی میں مجھے دفن نہ کرو۔ مجھے ایران جا کر دفن کر آؤ۔ یار کتنی عجیب بات ہے۔ کتنا لوٹا اس ملک کو کتنی حکومت کی اس پر لیکن اس کی مٹی میں دفن ہونا پسند نہیں کیا۔ اتنا بھی رشتہ نہیں ہے اس ملک کے ساتھ کہ اس کی مٹی میں ہی سو جائیں؟ وزارت، ٹیلی فون و تار، نیپ کے پاس ریلوے کا ٹھیکہ، نیپ کے پاس فلاں بھی نیپ کے پاس فلاں بھی، نیپ کے پاس

آج بھی بیان تھا سابقہ وزیراعظم کا کہ نیپ سے دوستی اور مظبوط ہو گی۔ نیپ کی بنیاد رکھنے والے غفار خان نے وصیت یہ کہ میں مر جاؤں تو اس ملک کی مٹی میں مجھے دفن نہ کرنا اور مزے کی بات یہ ہے کہ پھر ان لاشوں کو سرکاری قافلہ اٹھا کر لے جاتا ہے دوسرے ملک میں دفن کرنے کے لئے۔ یعنی جو لوگ اس میں دفن ہونا پسند نہیں کرتے وہ اس ملک پہ حکومت کرتے ہیں اور اب تو ہے ہی اللہ کا احسان کہ اب تو نوح علیہ السلام کی مثال مل گئی اس سے بڑی سعادت کیا ہو گی کہ اس گئے گزرے زمانے میں ایک نبی کا مثیل ہمیں عطا ہو گیا اور یاد رکھو بیوی کافر بیٹیاں کافر بیٹے کافر اور اپنا یہ نام بھی یہاں ہو گا' وہاں نام کوئی اور ہو گا جس طرح جونیجو کا بکس بی جان تھا اس کا بھی کوئی اور ہو گا۔

یہ سب باہر کی ایک ملمع کاری ہے۔ آپ تو سپاہی بھرتی نہیں ہو سکتے فوج میں اور وہ وہاں سے آ کر وزیراعظم لگ گیا۔ تو اس میں میں اور آپ کیا کریں گے بھئی کیا یہ سارا اسی طرح چلتا رہے گا؟ اگر اسی طرح چلتا رہا تو چند سالوں میں جنازہ پڑھنے کے لئے ٹیپ ریکارڈر رہ جائیں گے کہ ٹیپ بجا دو بابے کے جنازے کے ساتھ کوئی اذان کہنے والا اقامت کہنے والا نماز پڑھانے والا نہیں رہے گا۔

آئیں غسال کابل سے کفن جاپان سے

یہاں کوئی نہیں ملے گا۔ اور یہی نہیں کہ یہ صورت حال اس قوم کی تباہی کا سبب بن رہی ہے۔ میں اور آپ آخرت کا جواب دینے کے قابل نہیں ہوں گے۔ اس تمام صورت حال کے مقابلے کے لئے ہم نے اللہ کا نام لے کر الاخوان کو منظم کیا ہے۔ اقتدار میں شراکت کے لئے نہیں اقتدار میں بیٹھے ہوئے لوگوں کی ہر برائی کی نشان دہی کرنے کے لئے اور ہر ممبر جو الاخوان کا ہو گا وہ سب سے پہلے اپنے وجود پر اسلام نافذ کرے گا اور اپنے معاملات اسلامی حدود کے اندر رکھے گا۔ تا کہ ایک وقت آئے کہ ہم پوری حکومت سے یہ کہہ سکیں کہ آپ بھی یا اسلام اپنائیں یا راستے سے ہٹ جائیں۔ آپ کا راستہ اپنا ہے ہمارا راستہ اپنا ہے۔ ہم اسلام پر جئیں گے' اسلام پر مریں گے۔ آپ لچھے دار تقریروں کے عادی ہیں اور تفسیری نقاط کے عادی ہیں۔ یہ سب سننا چھوڑ کر تھوڑی دیر کے لئے کوئی تھوڑی سی عامیانہ سی بات بھی کی جائے جس کی ضرورت ہے۔ ہر روز لذیذ کھانے ہی نہیں کبھی اجوائی پنیر بھی پھانکنا پڑتا ہے کہ ہاضمہ درست رہے کوئی تلخ اور کڑوی چیز بھی کھانا پڑتی ہے۔

تو میرے بھائی میں اور آپ مکلف ہیں میں آپ سب کو دعوت دیتا ہوں کہ اس تنظیم الاخوان میں شریک ہو جائیں اور بنیادی طور پر اپنے آپ کو مسلمان ثابت کریں اسلام کو نافذ کریں اس باڈی لڑیچر پر اس وجود پر اس کا حلیہ اسلامی بنائیں اس کا لباس اسلامی بنائیں اس کی بول چال کھانا پینا اسلامی بنائیں اس کا لین دین اسلامی بنائیں۔ اسے سچ بولنا اور اللہ کی اطاعت کرنا سکھائیں اور معاشرے میں یہ مطالبہ لے کر کھڑے ہوں کہ یہ ملک اللہ کے نام پر اور دین کے نام پر بنا ہے اس پر دین کی حکومت ہونی چاہئے۔ اپنے معاملات کو اپنی ذات کو دین کے سپرد کریں کہ ہم دوسروں سے بھی کہہ سکیں اور جو نہیں کرے گا اسے جواب ایک نہ ایک دن دینا پڑے گا۔ اور وہ دن دور نہیں ہے۔ اللہ کے حضور اللہ کی بارگاہ میں اور میں یہ بھی بتاتا چلوں کہ یہ ضروری نہیں ہوتا کہ احقاق حق کے لئے بہت بڑا لشکر ہو تو حق بیان کیا جائے اکیلا بندہ بھی حق بیان کرنے کا مکلف ہے اس چشم فلک نے یہ نظارہ بھی دیکھا کہ روئے زمین پر اللہ کا بندہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ہستی تھی جو اللہ کی توحید بیان کر رہی تھی اس ایک کے ساتھ دو ملے پانچ ملے سات ملے دس ملے اور وہ پوری انسانی آبادی میں پانچ سات یا دس افراد تھے مکی زندگی میں اور پوری روئے زمین پر جب وہ چالیس ہو گئے تو انہوں نے کہا اعلانیہ حرم میں جا کر نماز پڑھیں گے تو کیا اب اس ملک میں چالیس حق پرست بھی نہیں ہیں کہ کسی پلیٹ فارم پر کھڑے ہو کر وہ حق کی بات کہہ سکیں۔ یہ سارے وظیفے یہ سارے مجاہدے یہ ساری تبلیغیں یہ ساری تسبیحات دھری کی دھری رہ جائیں گی اگر

احیائے اسلام کے کے لئے ہم کچھ نہ کر سکے تو اللہ کو ان کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ کو ہمارے ان جذبوں کی ضرورت ہے اس خون کی ضرورت ہے اس قربانی کی ضرورت پسند ہے اللہ کو وہ جو ہم احیائے اسلام کے لئے دے سکیں۔ اللہ کریم کو ہمارے وہ جذبے محبوب ہیں جو اس کے حکم کے نفاذ کے لئے ہم کر سکیں وہ تو جو چاہتا ہے کرتا ہے آپ اللہ کو کہتے ہو خود کرو۔ وہ تو جو چاہتا ہے کرتا ہے کافر کو بھی وہ پیدا کرتا ہے اس کا حلیہ وہ بناتا ہے اس کا خون' اس کا قد و قامت اس کی شکل اس کی عقل اس کی روزی سب کچھ وہ دیتا ہے اسی کے حکم سے کافر پیدا ہوتا ہے اسی کے حکم سے مر جاتا ہے اس کی جرات ہے سرتابی تو کرے جو اس نے اپنے ذمے لگایا ہے۔ اس میں میرے اور آپ کے مشورے کی ضرورت نہیں۔ وہ کر رہا ہے اور احسن طریقے سے کر رہا ہے جو اس نے ہمارے ذمے لگایا ہے پھر ہم بھی کہتے ہیں یہ بھی اللہ میاں تو ہی کر تو ہمیں پیدا کرنے کا کیا مقصد ہوا؟ ہماری زندگی کس کام آئی؟ ہمارے کلمہ پڑھنے کا نتیجہ کیا ہوا؟ اور ہم نے کونسا تیر مارا۔ آخر ہم کس کام آئے؟

تو میرے بھائی اپنا محاسبہ کرو اور نفاذ اسلام کے لئے زبانی کر سکتے ہو' عملاً" کر سکتے ہو' مالی کر سکتے ہو' تحریر سے کر سکتے ہو تو خدا کے لئے مجبور کر دو ان دانشوروں کو کہ یہ انگریزی لبادہ چھوڑ کر مسلمانی کو اپنائیں اور عملاً" اسلامی زندگی میں آئیں۔ مجبور کر دو حکمرانوں کو کہ اسلام ان کی مجبوری بن جائے کہ اسلام کے بغیر زندگی کا تصور نہ رہے اس ملک میں۔ مجبور کر دو ان ٹھیکیداروں کو کہ یہ انسانی زندگیوں سے کھیلنا چھوڑ دیں اور اللہ کے بندے بن کر زندہ رہنا شروع کریں اور اگر آپ اس کوشش میں شریک نہیں ہو سکتے تو شاید ہماری نمازیں یہ کہہ کر لوٹا دی جائیں گی کہ ان خالی خولی سجدوں کی ضرورت نہیں تھی اس کے ساتھ جذبہ ایثار چاہئے تھا جو تم لا نہیں سکے۔ اللہ کریم ہمیں ان حقائق کو سمجھنے کی' صحیح فیصلہ کرنے کی اور بقائے اسلام کے لئے آہنی دیوار بننے کی توفیق عطا فرمائے۔

قوم غلامانِ غلام

مولانا محمد اکرم اعوان

انسان مدنی الطبع ہے اور جہاں رہتا بستا ہے وہاں ایک ماحول سے جدا ہونے کا تصور نہیں کر سکتا وہ ماحول اچھا یا برا اپنے بسنے والوں سے ہوتا ہے۔ فضا سے' زمین سے' سورج سے یا موسموں سے نہیں بلکہ انسانی مزاج سے' انسانی سوچوں سے اور انسانی کردار سے تخلیق پاتا ہے۔ جب ہم اپنے مصائب کو ماحول کے حوالے سے دیکھتے ہیں تو بجا طور پر ہمیں یہ سوچنا بھی چاہئے کہ اس ماحول کو بنانے میں ہمارا کیا حصہ ہے؟ ہمارے کردار کا کتنا حصہ ہے اور ہم اس ماحول کو کیا دے رہے ہیں؟ ہمیں بجا طور پر اپنی محنت اور اپنے آباؤ و اجداد کی محنت اور اپنے جذبہ حریت' اپنے جذبہ آزادی' اپنے جذبہ جہاد' اپنے دین' اپنے اسلام کے ساتھ محبت اور آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عشق پر ناز ہے۔ ہمیں بجا طور پر یہ فخر حاصل ہے کہ ہمارا سر سوائے اللہ جل شانہ کے کسی بارگاہ میں نہیں جھکتا لیکن کیا اپنے ان دعووں کا خلوص اور صدق کے ساتھ تجزیہ کرنے کے لئے بھی ہم تیار ہیں؟

آیئے ہم اپنے ہی ملک کے حالات کو دیکھیں۔ یہ وہ خطہ زمین ہے جس پر کابل سے لے کر دکن تک' ہمالہ سے دکن تک اور بلوچستان کی آخری سرحدوں سے لے کر بنگالہ تک' ہزار برس مسلمانوں نے حکومت کی۔ اس ہزار سالہ عہد حکومت کے قوانین اور اس کے دساتیر ابھی تک ہمیں کہیں فتویٰ عالمگیری کی شکل میں نظر آتے ہیں اور کہیں کسی دوسرے نام سے فقہی مکاتب فکر میں موجود ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا' نہ کہا جا سکتا ہے کہ سارے لوگ نیک ہی تھے۔ لیکن بڑے بڑے نیک' بڑے بڑے اولوالعزم اور بڑے بڑے مجاہد بھی اس زمین نے اور اس بوڑھے آسمان نے دیکھے اور اسلام واحد دین تھا اور غازیان اسلام واحد لوگ تھے جو کافر کی عزت کے بھی امین ثابت ہوئے کافر کے مال و جان کو بھی حفاظت ملی اور کافر کو بھی روئے زمین پر اگر کبھی انصاف نام کی کوئی چیز ملی تو وہ محض اسلامی سلطنت میں تھی کافروں کی اپنی سلطنتوں میں کبھی کافروں کو بھی اماں نہیں مل سکی۔ کیا اسلام ہمیشہ سے حکومتوں کی گود میں پلا بڑھا' پیدا ہوا؟ ہرگز نہیں۔ آپ اگر اپنے مطالعہ کی نگاہ سے دیکھئے آپ اگر چشم تصور سے دیکھیں آپ نے جو علماء کرام سے سنی ہیں حقیقتیں ان کی نگاہ سے دیکھیں آپ اپنے عقیدہ اور ایمان کی نگاہ سے دیکھیں۔ آج سے چودہ سو سال پہلے کے اس زمانے کو دیکھیں جب اسلام کا ظہور ہو رہا تھا روئے زمین کا ہر فرد و بشر اللہ سے بے گانہ تھا۔ اللہ کے نام سے آشنا تک نہیں تھا۔ اور کوئی یہ جانتا تک نہیں تھا کہ اس کائنات کا خالق کون ہے کیسا ہے اور اس کی رضا کس بات

میں ہے اس وقت اللہ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور اس بوڑھے آسمان نے دیکھا پوری انسانی آبادی میں اللہ کا ایک بندہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک چھوٹی سی پہاڑی پر کھڑا ہوا عجیب و غریب اعلان فرما رہا ہے۔ فرماتا ہے۔ "**یا اَیُّھَا النَّاس اِنِّی رَسُول اللہ اِلیکم جَمِیعًا**"۔ اے اولاد آدم علیہ السلام! تم جہاں ہو کسی بھی براعظم میں ہو کسی بھی موسم میں بستے ہو دنیا کے کسی بھی حصے میں، جنگل میں، یا آبادی میں تم شہروں کے باسی ہو یا صحراؤں کے جہاں جہاں تم بستے ہو تم سب کے لئے میں اللہ کا رسولؐ ہوں۔

سب سے پہلی بات تو یہ کہ روئے زمین پر جب کفر و شرک کا تسلط تھا بڑی بڑی سلطنتیں، بڑی بڑی حکومتیں، بڑے بڑے خانوادے، بڑے بڑے قبائل، بڑے بڑے نظام موجود تھے لیکن سارے کے سارے کفر اور شرک میں ڈوبے ہوئے تھے۔ پورے گلوب پر کفر چھایا ہوا تھا۔ اس سارے کفر کے مقابلے میں رب جلیل نے اپنے ایک بندے کو کھڑا کر دیا۔ مقابلے کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔ کوئی تناسب بنتا ہے؟ کوئی اس کا اندازہ ہو سکتا ہے؟ کوئی حساب کرنے والا، کوئی نسبت و تناسب کا ماہر۔ یہ اندازہ کرے کہ پوری انسانی برادری جب کفر میں غرق ہے تو اللہ نے ایک بندے کو صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فداہ ابی و امی صرف ایک بندے کو۔

دوسری عجیب بات کہ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرما رہے ہیں کہ اس زمانے کو دیکھے۔ ٹرانسپورٹ نہیں ہے۔ پہیے کا تصور تک نہیں ہے۔ اخبار نہیں چھپتا۔ پریس نہیں ہے۔ چھاپہ خانے نہیں ہیں۔ کتابیں نہیں چھپتیں۔ کوئی ٹیلی فون کی تار نہیں ہے کوئی ہوائی جہاز نہیں اڑتا، کوئی ریل نہیں چلتی، تانگہ نہیں ملتا، گھوڑا اور اونٹ ملتا ہے سواری کے لئے اور اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیابان و صحرا میں چھوٹی سی ایک آبادی میں پوری انسانیت کو مخاطب کر رہا ہے ماننا تو دور کی بات ہے اسباب ظاہری سے اندازہ کر کے دیکھئے یہ آواز پہنچانا ہر فرد و بشر تک ممکن نظر آتا ہے؟ ہر گز نہیں۔ ہم سارا تجزیہ کر کے دیکھ لیں دنیا کے سارے ماہرین جمع ہو کر دیکھ لیں کوئی ظاہری سبب نظر نہیں آتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ اعلان نبوت روئے زمین کے ہر فرد تک پہنچے گا بھی یا نہیں۔

تیسری بات جو قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ کیا یہ اعلان فرمانے کے بعد کفر نے یہ بات قبول کر لی۔ مشرکوں نے اس بات کو ہضم کر لیا۔ دنیا کی غیر اسلامی طاقتوں نے کیا اسے قبول کر لیا۔ دنیا کے معاشی نظام نے، دنیا کے سیاسی نظام نے، دنیا کے حکومتی نظام نے اور دنیا کے اخلاق و کردار نے، دنیا کی سوچ نے کیا اس نعرہ مستانہ کو قبول کیا؟ ہر گز نہیں پوری دنیا کا کفر متحد ہو کر ٹوٹ پڑا آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر۔ آپؐ کے پاس توپ خانہ نہیں تھا فوج نہیں تھی لشکر نہیں تھا کوئی مادی خزانہ نہیں تھا۔ دولت کے انبار نہیں تھے۔ پیچھے چلنے والے بہت سے پیروکار نہیں تھے اور مقابلے میں پوری دنیا کے [illegible] لیکن عجیب بات ہے۔ اس [illegible] میں جن لوگوں کو سب سے کمزور اور غلام گردانا گیا۔ انہی میں عشاق پیدا ہونا شروع ہو گئے۔ معاشی مالی سیاسی طور پر جنہیں پیسا جا رہا تھا۔ جنہیں کچلا جا رہا تھا جن کی ہر گز کوئی اہمیت نہیں تھی اور جن سے کبھی کوئی پوچھتا نہیں تھا کہ تمہاری بھی کوئی خواہش ہے یا نہیں۔

یہ عشق محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلا کیا ہے؟ یہ کونسا شعلہ جوالا ہے یہ کونسی برق تپاں ہے کہ جس نے نسل در نسل غلامی کی گود میں آنکھ کھولنے والوں کو جوالا مکھی بنا دیا؟ ارے یہ کمال کس کا تھا۔ یہ جذبہ کس کا تھا۔ یہ جرات رندانہ کہاں سے ملی کہ غلامی کی گود میں آنکھ کھولنے والے مالکوں کے سامنے سینے تان کر کھڑے ہو گئے۔ زبان کٹ تو سکتی ہے سینہ پھٹ تو سکتا ہے، گردن کٹ جائے گی تمہارے سامنے اور تمہارے خداؤں کے سامنے جھک نہیں سکتی یہ وہ لوگ نہیں تھے جو بڑے بڑے جرنیل بڑے بڑے بہادر تھے یہ وہ لوگ تھے جو کئی نسلوں سے غلاموں کی گود میں پلتے چلے آئے اور غلامی جن کے خمیر میں، جن کے جینز میں سرایت

کئے ہوئے تھی۔ ارے عشق محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو وہ بلا ہے جس نے جینز تک تبدیل کر دیئے اور غلاموں کو آقا و مولا بنا دیا۔ لیکن کیا معاشرے نے ان کی اس جرات رندانہ کو قبول کیا اور انہیں جگہ دی؟ ہر گز نہیں۔ مشرک و کافر طاقتیں جھپٹ پڑیں۔ ٹوٹ پڑیں انہیں مارا گیا پیٹا گیا گھسیٹا گیا۔ دنیا کا ہر ظلم و ستم توڑا گیا گرم لوہے سے داغے گئے گرم ریت پر لٹا کر سینے پر چٹانیں رکھ دی گئیں آگ کے انگاروں پر لٹایا مگر ان کی بات ایک ہی تھی کہ مادی وسائل استعمال کر کے ہمارے جسم کے پرخچے تو اڑا سکتے ہو مگر ہماری زبان سے اللہ واحد کا نعرہ ہی نکلے گا تمہاری تائید میں ایک لفظ نہیں نکل سکتا۔

اس پوری تیرہ سالہ مکی زندگی میں سے آپ کو ایک واقعہ سنانا چاہتا ہوں صرف ایک ۔ تمام قبائل نے آپس میں یہ معاہدہ کیا کہ قبائلی زندگی سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور آپ صلی اللہ کے پیروکاروں کو خارج کر دیا جائے۔ عرب کی زندگی قبائلی زندگی تھی اور ہر فرد قبیلے کا فرد بن کر زندہ رہتا تھا۔ اگر کسی کو قبائل سے نکال دیا جاتا تو اس کا معنی یہ ہوتا تھا کہ کوئی بندہ اس کی بے عزتی کر لے کوئی اسے تھپڑ مار لے کوئی اس کا مال لوٹ لے کوئی اس کے بچے اغوا کر لے کوئی اسے قتل کر دے کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ کہ اس کے پیچھے کوئی قبیلہ نہیں ہے جو جواب طلبی کے لئے آئے گا اور جو کسی قبیلے سے منسلک ہوتا اسے چھیڑنے کی جرات اس لئے نہیں کی جاتی تھی کہ پورے قبیلے کے ساتھ چھیڑنا سمجھا جائے گا اور پورا قبیلہ مقابلے میں کھڑا ہو جائے گا۔ بہت بڑا ہتھیار آزمایا قبائل مکہ نے قبائل قریش نے اور اس حد تک آزمایا کہ بنو ہاشم کو بھی اس بات کا قائل کر لیا کہ خود وہ قبیلہ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباؤ اجداد کا ہے۔ بنو ہاشم بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ نہیں دیں گے۔ نہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غلامان مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ سلم کا دم لینا بھی مکے میں محال ہو گیا اپنے گھر، اپنی گلی کی زمین تنگ ہو گئی اپنی ازواج اور اپنی اولاد کے ساتھ رہنا مشکل ہو گیا۔ اپنے گھر کا دروازہ کھولنا مشکل ہو گیا یہ وہ زمانہ تھا یہ وہ حال تھا کہ دنیا کی نظروں میں اسلام کے لئے سانس لینے کے سارے دروازے بند کر دیئے گئے۔ یہ میں اس سماج سے مخاطب ہوں جو آج اسلام کے لئے ہر سانس لینے والی نالی کو بند کر دینے کے در پے ہے۔ اسے اسلام کی تاریخ بھی دیکھ لینی چاہئے کہ اسلام کے لئے یہ پہلی دفعہ نہیں ہو رہا۔ ابتدا آفرینش سے، شروع میں ابتدا میں اسلام کا گلا گھونٹنے والے آج کے کافروں سے کروڑوں گنا بڑے کافر آج کے مشرکوں سے بڑے مشرک اور آج کے بے ایمانوں سے بڑے بے ایمان ساری کوشش کر لی انہوں نے۔ اب ان کا خیال یہ تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہم نے مجبور کر دیا۔ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے گئے۔ شہر سے باہر دوسرے قبائل کے سرداروں کے پاس کہ انسان مادی زندگی میں انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام انسانی زندگی کا کامل نمونہ ہوتے ہیں اور کبھی انسانی معاشرے سے کٹ کر کوئی نبی علیہ السلام نہیں رہا۔ بلکہ معاشرے میں رہنے کا اسلوب سکھانا ہی فریضہ نبوت ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مختلف قبائل کے سرداروں کے پاس تشریف لے گئے۔ واہ کیا عجیب بات ہے۔ ارے کافر بات سننے پہ آمادہ نہ ہوا اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ایک کے دروازے پہ جائیں۔

خداوند عالم کیا زمانہ تھا؟ آج سمجھ آتی ہے کہ نبی علیہ السلام کو آزمانا اللہ کو مقصود نہیں تھا۔ مجھے اور آپ کو بتانا مقصود تھا کہ نا امید مت ہو جاؤ ایسے حالات بھی آیا کرتے ہیں۔ نبی علیہ السلام تو اللہ کا تخلیقی نبی علیہ السلام تھا۔ ازل سے نبی تھا۔ نبی علیہ السلام کو آزمانا مقصود نہیں تھا۔ مجھے اور آپ کو دکھانا مقصود تھا کہ اے مغرب کی طرف دیکھنے والو! امریکہ کے ٹینکوں سے ڈرنے والو! روس کے ہوائی جہازوں سے مرعوب ہونے والو! ہندوستان کے لاؤ و لشکر سے خوف زدہ مسلمانو! ڈربوں سے نکل آؤ۔ اس سے زیادہ مشکل

حالات میں اللہ نے اپنے دین کی حفاظت کی۔ لیکن اس ساری مایوسی میں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے۔ وہ بات عجیب تھی۔ رسول اللہ نے بھیک نہیں مانگی۔ آج کا کوئی مسلمان یہ جواز نہ تلاش کر لے کہ امریکن ایڈ کا جواز وہاں سے ملتا ہے۔ نہیں حضور صلی اللہ نے اعلان فرمایا کہ آج میں تمہارے دروازے پر تشریف لایا ہوں اگر میری بات مان لو تو میں تمہیں دنیا کی سلطنت بھی دینے آیا ہوں اور آخرت کی کامیابی بھی اپنے ساتھ لایا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خراج مانگنے' ایڈ مانگنے' گدا مانگنے اور میری اور تیری طرح کافر کا پس خوردہ مانگنے تشریف نہیں لے گئے تھے۔ احسان فرمانے تشریف لے گئے تھے۔ اور فرمایا آج جو بندہ میری بات سن لے آج جو بندہ اللہ کے دین کو گھر لے آئے آج جو بندہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے خاندان میں شامل کر لے روئے زمین کی سلطنتیں اس کے قدموں میں جھک جائیں گی۔ میرے پاس اللہ کا پیغام ہے اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ترتیل سے آیات تلاوت فرماتے۔ بدنصیب تھے۔ مشرک و کافر وہ سردار جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مذاق اڑایا اور کہتے تھے دیکھو سر چھپانے کو جگہ نہیں ہے دنیا کی سلطنت بانٹ رہے ہیں۔ اپنے رہنے کو ٹھکانہ نہیں ہے اور ہمیں فتح کی خوشخبریاں دیتے ہیں۔ پندرہ قبائل کے پاس یکے بعد دیگرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلسل تشریف لے جاتے رہے انہی میں سے ایک واقعہ جو آپ طائف کا پڑھتے ہیں اور اکثر سنتے ہیں یہ اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے کہ طائف کے امراء نے نہ صرف مذاق اڑایا بلکہ پتھر دے کر نوکر اور بچے پیچھے لگا دیئے اور رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسد اطہر کو خون میں نہلا دیا۔ اللہ! وہ کیا زمانہ تھا۔ غیرت باری نے جوش مارا ملک الجبال کو حکم ہوا۔ میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھ لے۔ رحمت عالم ہیں ان سے اجازت حاصل کر لے حکم دیتے ہیں تو طائف والوں نے پتھر پھینکے ہیں۔ تم یہ طائف کے بڑے بڑے پہاڑ اٹھا کا اس آبادی پر پھینک دو۔ جب اس نے اجازت چاہی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہاتھ اٹھا دیئے فرمایا اللہ اگر دینا ہی چاہتا ہے تو انہیں سمجھ اور شعور دے دے انہیں ہدایت دے دے اگر یہ نہ مانیں گے ان کی اولاد سے کوئی تیرے نبی علیہ السلام کے خادم پیدا ہو جائیں گے یا الہا انہیں معاف فرما۔ ان کی طرف سے معذرت فرمائی فرمایا۔ یا اللہ اس لئے پتھر برسا رہے ہیں **فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ**۔ یہ مجھے نہیں جانتے اگر یہ مجھے پہچان لیتے اگر یہ مجھے جان لیتے تو میرے قدموں میں جان نچھاور کرتے یہ نہیں جانتے یہ جاہل ہیں انہیں معرفت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاصل نہیں ہے ان سے درگزر فرمایئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہر سے باہر تشریف رکھتے آنے جانے والوں کو دوسرے قبائل کے سرداروں کی طرف جانے کی کوشش فرماتے حتیٰ کہ مدینہ منورہ سے کچھ لوگ' پانچ آدمی ان کے ساتھ ان کا ایک امیر' مکہ مکرمہ وارد ہوئے بیت اللہ کی زیارت کو اور شہر سے باہر وادی میں انہوں نے پڑاؤ لگایا۔ عربوں کی عادت تھی۔ شام کے جھٹپٹے میں جس شہر کے قریب پہنچتے اس کے اندر نہیں جاتے تھے شہر سے باہر پڑاؤ کرتے اور علی الصبح شہر میں داخل ہوا کرتے تھے۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پتہ چلا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سردار کے پاس تشریف لے گئے کیا خوش نصیب تھا اس نے بات تو بعد میں سنی جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آیات کی تلاوت فرمائی تو اس پر رقت طاری ہو گئی وہ کہنے لگا اے اللہ کے بندے تو جو بھی ہے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات بعد میں سنوں گا مجھے اپنے دوستوں کو بھی بلا لینے دیجئے۔ یہ تو کوئی عجیب چیز ہے اس نے تو میرا دل بدل دیا۔ میرا مزاج بدل دیا اور خود مجھے بدل دیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ جو پہلے بیٹھا تھا وہ کوئی اور ہے یہ اب جو میں بیٹھا ہوں یہ کوئی دوسرا بندہ ہے۔ مجھے اپنے ساتھیوں کو بھی بلا لینے دو۔ انہوں نے اپنے دوسرے پانچ ساتھیوں کو بلا لیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

تلاوت فرمائی اور وہی سادہ سی دعوت دی کہ اگر چاہو تو آج بے خانماں دین کو اپنے گھر لے جاؤ لیکن یہ دین مسکین اور بے خانماں حقیقت میں نہیں ہے اللہ بندوں کو آزما رہے ہیں۔ جہاں یہ دین جائے گا وہاں دنیا کی سلطنت بھی جائے گی اور وہاں آخرت کی کامیابی بھی جائے گی۔ انہیں بات بڑی پسند آئی انہوں نے اجازت چاہی کہ ہمیں ایک دفعہ واپس جانے دیجئے اپنے شہر میں بات کرنے دیجئے پھر حاضر ہوں گے اور اگلی دفعہ جب آئے تو اپنے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی مکہ مکرمہ سے مدینہ لے گئے۔ مہاجرین کو ساتھ لے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دعوت دی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے چشم براہ ہو گئے اور دل کھول دیئے سینے کھول دیئے مال بانٹ دیئے گھر بانٹ دیئے جائیدادیں بانٹ دیں اور ہجرت کر کے آنے والوں کے لئے اپنے دلوں کے دروازے کھول دیئے وہ جانتے تھے انصار مدینہ کے یہ الفاظ موجود ہیں کہ ہمیں خبر ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو دعوت دے کر ہم پوری دنیا کے کفر کو چیلنج کر رہے ہیں لیکن ایک بات کی شہادت دیتے ہیں جب تک ہمارے کندھوں پہ سر اور تن میں جان موجود ہے ہر تیر اور ہر تلوار ہم اپنے سینے پہ برداشت کریں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کوئی میلی آنکھ سے دیکھ بھی نہیں پائے گا۔ کتنی عجیب بات ہے کہ اس حال میں جب اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غریب الوطن نظر آتا ہے جب اللہ کا دین غریب الوطن نظر آتا ہے کتنے خوش نصیب تھے انہیں کتنا یقین حاصل ہو گیا ان کے یقین کا ایک چھوٹا سا نمونہ کہ میدان بدر بپا ہو گیا مکے والے چڑھ دوڑے اور اس جوش میں کہ مدینے کی حیثیت کیا ہے چند گھروندے ہم روند دیں گے کچل دیں گے۔ مسلح لشکر جرار اور تربیت یافتہ لشکر جو قافلے کے تحفظ کے لئے آیا تھا اور جسے یہ پتہ چل گیا کہ قافلہ بچ کر نکل چکا ہے اور جس وقت مشاورت ہوئی جس میں طے کیا کہ روز روز گھر سے نکلا نہیں جاتا اس بستی کو دنیا اور زمین سے نابود کر کے ہی واپس جائیں گے ان کے مقابلے کے لئے وہی کمزور و ناتواں بغیر مادی وسائل کے بغیر اسلحہ کے بغیر تیر و تفنگ کے بغیر سواری اور بغیر راشن کے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اشارے پر میدان میں صف آرا ہو گئے۔ میں بات یقین کی کر رہا تھا۔ یقین کا یہ عالم تھا کہ پانچ پانچ کھجوریں ایک ایک مجاہد کو کھانے کے لئے دن بھر کا راشن کے طور پر ملیں۔ ایک یا دو کھجوریں ایک مجاہد نے کھا لیں تو انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر میں یہاں کام آ گیا تو میں جنت میں پہنچ جاؤں گا تو فرمایا بے شک اس نے باقی تین پھینک دیں۔ اور کہا ان سے کون پیٹ بھرتا رہے جب کہ جنت سامنے تیار ہے تو میں وہاں جا کر کھا لوں گا میں ان کھجوروں کو پیٹ میں کیوں ٹھونستا رہوں یہ یقین تھا۔

ایمان اسی یقین کا نام ہے اور جب اس یقین کے ساتھ وہ صف آرا ہو گئے تو قرآن شاہد ہے اللہ نے ملائکہ کو حکم دے دیا جاؤ یہ دیوانے باز آنے والے نہیں ہیں ان کی جگہ جا کر میدان میں سپاہی بن کر لڑو اور تاریخ عالم نے دیکھا کہ بڑے بڑے متکبروں کی گردنیں اڑتی ہوئی نظر آئیں۔ ستر کافر قید ہو گئے۔ ستر مارے گئے اور مکے کا سارا غرور جو تھا وہ نکل گیا بلکہ روئے زمین پر پہلی دفعہ ظالم کا ہاتھ کاٹا گیا۔ اور مظلوم نے اپنی آواز بلند کی اور دنیا نے دیکھا کہ وہ مدینہ جسے یثرب کہتے تھے یثرب کا معنی ہے تکلیف دہ جگہ۔ ایک خاص قسم کی جھاڑیاں ہوتی تھیں جن میں کھٹیاں مچھر رہتے تھے کہ جو وہاں آکر رہتا تھا اسے بخار گھیر لیتا اس وادی کا نام ہی وادی یثرب تھا۔ جو بیماری کا گڑھ تھا۔ ساری کائنات کے لئے شفا کا مرکز بن گیا اور یثرب سے مدینتہ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مدینتہ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہو گیا۔ نہ صرف یہ بلکہ چشم فلک نے دیکھا کہ جو وعدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سفر کی حالت میں فرماتے تھے ربع صدی سے پہلے تئیس برسوں میں اللہ نے پورا کر دیا اور ہسپانیہ سے لے کر چین تک اور سائبیریا سے لے کر افریقہ تک وہ سلطنت بن گئی جس کا امیر مدینہ المنورہ

کی مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خطیب تھا۔

بڑی بڑی طاقتیں ان کے قدموں میں سرنگوں ہو گئیں۔ بڑے بڑے جابر و قاہر حکمرانوں کے تاج چھینوں اور ہتھیاروں سے کاٹ کر غرباء میں بانٹ دیئے گئے۔ یہ میری اور آپ کی جرات نہیں تھی۔ یہ سیاست دانوں اور نوابوں کی جرات نہیں تھی۔ یہ خان بہادروں اور خان صاحبوں کی جرات نہیں تھی یہ ان علمائے حق کا کارنامہ تھا جنہیں اس وعدہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہ یقین تھا کہ سو سالہ انگریزی عہد میں بھی آزادی کی جدوجہد کو انہوں نے جوان رکھا جا کر مالٹا کے کارخانوں سے پوچھئے کالے پانیوں کے سمندروں کے جزیروں سے پوچھئے اور تپتے ہوئے صحراؤں میں پھڑکتے ہوئے لاشوں سے پوچھئے پہاڑوں پہ اڑتی ہوئی گرج سے اور الجھتے ہوئے بادلوں سے پوچھئے ایک ایک قطرہ بارش کی طرح انہوں نے ایک ایک خون کا قطرہ اسلام کی آبیاری کے لئے بجھا دیا۔ جب آپ کے سیاست دانوں کے آباؤاجداد مرنے اور جاگیریں لے رہے تھے جب خان صاحب اور خان بہادر بن رہے تھے جب خان اور نواب بن رہے تھے۔ اس وقت وہ علمائے حق قید و بند کاٹ رہے تھے۔ اللہ کا دین سکھا رہے تھے اللہ کا پیغام پہنچا رہے تھے اور بھوک اور افلاس سے بوریئے پر راتیں بسر کر رہے تھے۔ غلامی کی اللہ کی۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کی۔ کسی کافر کے دروازے پہ جبہ سائی نہیں کی۔

مرزا مظہر جاناں جاں رحمتہ اللہ علیہ بہت نازک مزاج تھے۔ ایک شقی القلب کافر نے ان پر اس زمانے میں تپنچہ داغا سینے میں لگا چھلنی ہو گئے۔ وہ زمانہ ایسا تھا کہ تپنچے بھی آگے سے بارود سے بھرے جاتے تھے۔ بادشاہ نے آ کر حال پوچھا آپ نے فرمایا سینہ تو پہلے چھلنی تھا اس کی فکر تو نہیں ہے یہ بارود کی بو مجھے تنگ کرتی ہے۔ بہادر شاہ ظفر نے عرض کی حضرت اجازت ہو تو انگریز ڈاکٹر ہے بڑا قابل جو میرا شاہی ڈاکٹر ہے۔ آپ کا زخم دیکھ لے فرمایا میں دنیا سے جاتے وقت کافر کی امداد نہیں لینا چاہتا۔ اے بادشاہ وہ تجھ ہی کو مبارک ہو۔ مجھے اگر شفا دے گا تو رب العلمین دے گا۔ میرا زخم دیکھے گا تو کوئی کلمہ گو دیکھے گا۔ میں اپنا سینہ کافر کے سامنے کھول کر کیوں رکھ دوں۔ یہ تحریک آزادی اس خون کے سہارے زندہ رہی آج اس کے بے شمار وارث پیدا ہو گئے۔

یہ ملک آزاد ہوا! یہ دھوکا ہے۔ یہ ایک فریب ہے نہ ملک آزاد ہوا اور نہ آج تک آزاد ہے۔ بلکہ انگریز نے جاتے ہوئے ہمیں اپنی غلامی سے نکال کر اپنے غلاموں کی غلامی میں دے دیا۔ پہلے سیدھے سیدھے مالک کے غلام تھے پہلے ہم اس کے نوکر تھے۔ اب نوکروں کے چاکر ہو گئے۔ اب ہم پر انگریز کا غلام مسلط ہے۔ حکم وہاں سے لیتا ہے حکومت ہم پر کرتا ہے۔ ہم سے جو لوٹتا ہے اسے مغرب میں جا کر جمع کراتا ہے۔ وہاں سے ہمارے نام پر جو گدا کرتا ہے واپس وہیں جمع کرا دیتا ہے۔ اور ادھار ہمارے کھاتے میں لکھا جاتا ہے۔ میں آپ کو بڑے یقین سے یہ بات کہہ رہا ہوں کہ جب تقسیم ملک کا نعرہ لگا لکھو کھا جوان ذبح ہو گئے۔ بوڑھوں نے جانیں دیں۔ بیٹیاں لٹ گئیں۔ مسلمانوں کی عزت لٹ گئی۔ خدا کے لئے کسی سیاست دان سے یہ پوچھ کر بتایئے کیا ان لوگوں سے آپ نے یہ کہا تھا کہ ایک ملک ہو گا اس میں ہم جمہوریت کے لئے کام کریں گے اس پر انہوں نے جانیں دی تھیں؟ خدا کے لئے کوئی بندہ کسی سیاست دان سے کوئی اپنی یاداشت سے کسی پرانے اخبار سے کسی رسالے سے تاریخ کے کسی ورق سے تلاش کر کے دکھائے۔ یار یہ جو لاکھوں کروڑوں انسان راستوں میں تباہ ہو گئے کٹی ہوئی ریلیں اور لاشوں سے بھرے ہوئے ڈبے جب ریل کے آتے تھے جب گدھوں نے انسانی گوشت کھانا چھوڑ دیا تھا اور جب کتے مسلمان کا گوشت کھا کھا کر رج گئے تھے یہ سارے مرنے والے کیا جمہوریت پر مرتے رہے؟ آج ہر دیوار پر جمہوریت ہر اخبار میں جمہوریت ہر عالم' ہر سیاست دان کے منہ میں جمہوریت' پیر صاحب بھی دیواروں پر لٹ گئے جمہوریت کے لئے خدا کے لئے یہ تو بتاؤ کہ ان غریبوں

کو جب آپ نے دھوکا دیا تھا جمہوریت کے نام پر دیا تھا یا اسلام کے نام پر دیا تھا؟ ارے کس نے جمہوریت کے نام پر جان دی تھی۔ ہم بھی تو وہیں موجود تھے۔ ہم سے بھی سب پوچھا کیئے۔

ہم بنس دیئے ہم چپ رہے منظور تھا پردہ تیرا

لیکن آخر کب تک یہ پردہ ڈھکا رہے گا۔ اب وقت آیا ہے کہ یہ پردہ اٹھایا جائے۔ اب وقت آیا ہے کہ مسلمانوں کو یہ بتایا جائے۔

کافر کی سوچ کو پنپنے کا موقع دینے کے لئے ہمارے ذہنوں کو اور آنے والی نسل کے ذہنوں کو زہر آلود کیا جا رہا ہے۔ یہ سمجھتے ہیں یہ بوڑھے مر کھپ جائیں گے اور نئی آنے والی نسل جمہوریت جمہوریت کرتے رہیں گے۔ مسلمانو! آج پھر اللہ کا دین مسلمانوں کے گھروں سے نکل کر پناہ کا طالب ہے۔ آج ہر دروازے پر جمہوریت ہے۔ ہر سیاست دان کے منہ میں جمہوریت ہے۔ ارے جمہوریت ہوتی کیا ہے کتنا بڑا جھوٹ ہے۔ کہتے ہیں اکثریت کی حکمرانی ہر حلقہ انتخاب سے دس دس بندے انتخاب لڑ رہے ہیں۔ ایک جیتے گا مقابلے میں۔ نو ہاریں گے۔ اکثریت نو کے ساتھ ہے یا ایک کے ساتھ ہے۔ وہ جس کی بنیاد ہی دھوکے پر ہے جس کا نام ہی غلط ہے اسے آپ جمہوریت کہتے ہیں۔ اگر جمہوریت ہی چاہئے تو چلو میرے ساتھ مکہ مکرمہ میں ووٹ کراؤ۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے۔ جدھر اکثریت ہے ادھر شامل ہو جاؤ۔ روئے زمین پر کفر مسلط ہے۔ ساڑھے تین ہزار کی آبادی ہے مدینہ منورہ۔ او جمہوریت کے علمبردارو چھوڑ دو مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور جمہوریت میں شامل ہو جاؤ۔ اتنا نامکمل اسلام ہے تمہارے پاس کہ تم طریق حکومت کافر سے مانگتے ہو۔ طریق معیشت یہودی سے مانگتے ہو۔ رسم و رواج ہندو سے مانگتے ہو نام اسلام کا لیتے ہو اور احسان جتاتے ہو کہ میں ہر سال مسجد میں پچاس ہزار روپیہ دیتا تھا۔ لعنت ہو تیری اس سوچ پر اور تیرے اس روپے پر۔ مسجد گداگر نہیں ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ جہاں علمائے حق ہیں وہاں جب علماء کو تمیز نہ رہی تو چوروں نے بھی داڑھیاں رکھ لیں۔ وہ چور تم سے لے کر کھاتے ہیں حق کا کوئی خادم تمہارے سود کی کمائی لینے کا روادار نہیں ہو گا۔ افسوس تو یہ ہے کہ قوم کو دین سے اتنا دور لے جایا گیا کہ ہر بے حجاب کا بندہ مولانا کہلانے لگ گیا۔ کسی کی سند کسی کی زندگی کسی کا کردار کسی کی سوچ اور کسی کا عقیدہ سند نہ رہا بلکہ جو کھڑا ہو گیا مولانا ہو گیا خدا کا خوف کرو مولوی کون ہوتا ہے؟

جسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات آتے ہوں اور جو ہم تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات پہنچاتا ہو مولوی کا صرف یہ کام ہے۔ جو خود گھڑتا ہو وہ مولوی نہیں وہ دین کا مخالف ہوتا ہے تو آج پھر وہ زمانہ' آج پھر وہ وقت لوٹ آیا کہ دنیا میں دو ارب کے لگ بھگ دو سو کروڑ مسلمان ہیں لیکن دو گھروں پر اسلام کی حکومت نہیں ہے۔ کتنے شرم کی بات ہے کہ ہندو کی حکومت و سلطنت ہو یہودی کی سلطنت ہو۔ ایک عورت یہودیوں نے یاسر عرفات کو دی۔ یہودیوں کی حکومت قبول کر لی دیکھو اس مسلمان حکمران کو۔ یہودی کی حکومت دنیا پر آئی۔ عیسائی کی حکومت ہے۔ عیسائیوں نے اپنے پوپ کے لئے ایک شہر ہی مختص کر دیا کہ اس پر صرف کلیسا کی حکومت ہو لاؤ نہیں اسلام کی حکومت بھی دکھاؤ اوہ دنیا کی سب سے بڑی قوم دنیا کے سب سے بڑے وسائل کی مالک دنیا کی ساری دولت کی مالک دنیا کی ساری ٹیکنالوجی کی مالک اور دنیا میں سارے علوم میں ماہر مسلمان تیرے منہ سے تیرے سینے سے تیری زبان سے تیرے عقل سے تیرے فہم و شعور سے یہ قوم کے درندے یہ لوٹنے والے یہ ڈاکو۔ میں نہیں کہتا

آپ کے ملک کے صدر نے اسمبلی توڑی سارے ڈاکو ہیں۔ دوسری بنی اسی صدر نے توڑ دی کہا سارے ڈاکو ہیں۔ اگر وہ جھوٹا تھا تو کم از کم صدر کو لٹکا دو کہ پتہ چلے کہ یہ جھوٹا تھا یہ نیک ہیں۔ اور اگر یہ سارے ڈاکو ہیں تو آج پھر

وہی طرہ رکھ کر پھر وہی بنتے پھرتے ہیں انہیں میں سے دو چار رہ گئے دس بارہ آ گئے پھر کون سی دیندار اسمبلی آ گئی۔ کوئی ایسا تو دکھایئے جو پہلے اس میدان میں نہ تھا۔ جس پر یہ الزام نہ لگا ہو ارے قرضوں کی فہرستیں شائع ہوئیں تو ان شرفاء کے بارہ بارہ کروڑ سے کم آتی نہیں ارے ان کے کتنے بڑے پیٹ ہیں کس بات سے بھریں گے۔ خدا کا خوف کرو یار۔ ان کی غلامی کرتے ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی چھوڑ کر ان سے نفع کی امید رکھتے ہو یہ آپ کا خون پی گئے یہ آپ کا گوشت کھا گئے۔ یہ آپ کا مستقبل کھا گئے۔ یہ آپ کی اولادوں کو کھا چکے ہیں اور آپ کی نسلوں کو غلامی میں دیتے چلے جا رہے ہیں۔ قوم کی غیرت تو دیکھو انہی کے جھنڈے لئے ہوئے پھر پھر رہے ہیں۔ اتنی میموری ان کی شارٹ ہو گئی ہے اتنی شارٹ میموری ہو گئی ہے کہ ایک مرغابی اور ایک بطخ جتنی بھی نہیں اس پر بھی فائر کیا جائے تو وہ آدھا گھنٹہ گھنٹہ تو واپس آنے میں لے جاتی ہے۔ خدا کے بندو! کچھ تو تم بھی یاد رکھو کہ کیا کر رہے ہو۔ اب بات پھر کے یہاں آتی ہے کہ آخر جائیں کہاں؟

صرف ایک دروازہ ہے بظاہر تو یوں نظر آتا ہے کہ آج ہم نے بڑی مہربانی کر کے اللہ کے اس دین کو جو دو سو کروڑ مسلمانوں کے باوجود مسافر ہے جس کے پاس ایک انچ زمین نہیں ہے جس کا حکم ایک خطہ زمین پر نافذ نہیں جس کا اپنا ایک شہر نہیں آؤ آج پھر ایک بار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گھر لے آئیں۔ دین اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو نہیں ہیں وہیں دین ہے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور وہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جہاں دین ہے۔ آج چودہ سو سال بعد وہ ظلم جو دین کے ساتھ مشرکین مکہ نے کیا تھا آج کا جاہل مسلمان کر رہا ہے اور اسے جمہوریت جمہوریت کا دانہ کھلا کر یہودیوں کے دام فریب میں دھکیلا جا رہا ہے۔ آج اللہ کی قسم جو مسلمان سود نہیں دینا چاہتا وہ بھی یہودیوں کو سود دیتا ہے۔ حکومت کے ٹیکسوں میں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد کہ جو سود سے بھاگیں گے ان کے حلق میں بھی گرد جائے گی آج حرف بحرف پورا ہو رہا ہے۔ خدا کے لئے مسلمانو! اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وفا کرو اور تجربہ تو کر کے دیکھو یار سوشلزم کو گھر لالئے جمہوریت کو لائے صدارتی نظام کو لائے کبھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلام کو بھی گھر تو لے آؤ۔

میں آپ سے ووٹ لینے نہیں آیا میں اس قابل ہی نہیں ہوں کہ میں حکمران بن جاؤں۔ حکمران اللہ ہے۔

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمران ہے اک وہی باقی بتان آذری

یہ آتے جاتے رہیں گے۔ ہم نے بڑے بڑے طمطراق سے آنے والوں کو جاتے بھی دیکھا ہے۔ ابھرتے سورج کی ڈوبتی ہوئی خون ابلتی تصویر کو مت بھولو جو اوپر اٹھتا ہے اسے نیچے بھی جانا پڑتا ہے۔ اپنے آپ کو اللہ کے دین کی پناہ میں لے جاؤ۔ میرے اور آپ کے پاس ایک گھر ہے ایک ملک ہے ایک سلطنت ہے۔ یہ باڈی سٹرکچر میری اور آپ کی حکومت ہے آؤ اس باڈی سٹرکچر میں اللہ کے دین کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لے آئیں اس گھر میں آج جسے دو سو کروڑ مسلمان پناہ دینے پہ تیار نہیں۔ خدا کے لئے لوگو! اللہ کے دین کو اپنے گھر لے آؤ اپنے سینے میں لے آؤ۔ خود دین پڑھو۔ یار دنیا کے سارے علم پڑھ لیتے ہو آدھے آدھے ماہئے اور بھینی نیلوی کے گیت اور نورجہان کے گیت اور تمہیں مہدی حسن کی غزلیں یاد ہیں کوئی جملے قرآن کے بھی یاد کر لو۔ ان کے معنی بھی سیکھ لو۔ یہ کتاب میرے لئے ہے۔ یہ تیرے لئے ہے۔ یہ ایک ایک انسان کے لئے ہے۔ اللہ خطاب فرماتا ہے۔ اسے سمجھو اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعوت دیتا ہے۔ اسے قبول کرو اور دین حق کو اس پوری سوسائٹی کا جو بنیادی جزو ہے چھوٹا سا اس جزو پر تو اسلام کو نافذ کر لو اگر یہ باڈی سٹرکچر جو ہے اس پر اسلام کا رنگ چڑھ جائے تو ایک ایک کر کے ایک معاشرہ

بنتا جائے گا جس پر اسلام نافذ ہو گا اور انشاء اللہ اس ملک کی نہیں دنیا کی حکومت ان لوگوں کے قدموں میں ہو گی جو اسلام کو آج اپنے سینے میں پناہ دے گا۔ ارے دنیا کی حکومت کیا شے ہے یہ آنی جانی ہے۔ آخرت کی کامیابی کی نوید ہے اس کے ساتھ اللہ نے وعدہ فرما دیا۔

و انتم الا علون۔ تم ہی کامیاب و کامران رہو گے۔ اس شرط پر **ان کنتم مومنین** اگر تم یہی کردار ثابت کرو جو میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خدام کر رہے ہیں یہ آیہ کریمہ غزوہ خندق پہ نازل ہوئی جب محاصرہ طویل ہو گیا ایک خادم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اپنے پیٹ سے پردہ اٹھا دیا۔ عربوں کی یہ عادت تھی جب فاقہ کشی طویل ہو جاتی، پیٹ خالی ہوتا تو اس پر پتھر رکھ کر کس کر باندھ دیتے کہ پیٹ میں درد نہ ہو تو اس نے اپنی عرضداشت پیش کرنے کے لئے لب تو نہ ہلائے کرتہ اٹھا دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دینے کی بجائے اپنا کرتہ مبارک اٹھایا تو شکم پیامبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔ اللہ کریم نے اس موقع پر ارشاد فرما دیا جب کہ خود فرماتا ہے۔

وَزُلْزِلُوا زِلْزَالاً شَدِیدا۔ مکہ میں مار انہوں نے کھائی۔ ایذا انہوں نے برداشت کی۔ گھر انہوں نے قربان کئے۔ جانیں انہوں نے دیں۔ خندق کا محاصرہ انہوں نے جھیلا۔ انعام قیامت تک ۔ والے مومنین کو مل گیا کہ اگر تم ایمان میں اس طرح ثابت قدم رہو اگر میرے نبی علیہ السلام پر تمہارا یقین ایسا ہی ہو جیسا ان فرزانوں کا ہے تم زندگی میں موت میں مابعد الموت ذاتی زندگی میں خاندانی اور گھریلو زندگی میں قومی اور ملکی زندگی میں موت میں اور موت کے بعد میدان حشر میں و انتم الاعلون۔ تم ہمیشہ سربلند سرفراز اور کامیاب رہو گے۔

بھلا دیکھیں تو سہی کتنے مسلمانوں کا جی چاہتا ہے کہ وہ اسلام کو اپنے سینے میں جگہ دیں۔ ہے کوئی۔ کتنے مسلمانوں میں یہ جرات رندانہ ہے۔ ماشاء اللہ آپ کے اس ہاتھ اٹھانے کو سچ ثابت کرے۔ میرے لئے نہیں میں بھی ایک خادم ہوں۔ آپ سے ادنیٰ خادم میں صرف آپ کو راستہ دکھا رہا ہوں۔ وہ راستہ جو میرے دل کو میرے آقا و مولا نے دکھایا۔ وہ راستہ جو میرے دماغ کو میرے استاد نے اللہ ان پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔ سمجھایا وہ راستہ جو آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا راستہ ہے لوگو! کیوں بھول گئے ہو کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں حکومت بنانے کی دعوت دی تھی کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ میں بغاوت کرنے کا حکم دیا تھا۔ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کافروں کے گھر جلانے کا حکم دیا تھا۔ ہرگز نہیں اس وجود پر اسلام لاگو کرنے کا حکم دیا تھا اور مسلمانوں نے سارے مقابلے اس بات پر کئے کہ اس وجود پر اسلام ہی کی حکومت ہو گی۔ ہجرت بھی اسی لئے کی کہ جب مدینہ منورہ میں ایک ایک بدن پر اسلام نافذ ہو گیا تو ایک معاشرہ بن گیا۔ از خود ضرورت پیدا ہو گئی کہ اب کوئی اچھے مسلمان ہوں کہ اس معاشرے کو چلانے کا کوئی اہتمام کیا جائے۔ اسلامی حکومت کی ضرورت پیدا ہو گئی۔ لوگو! آج بھی وہی حال ہے۔ اللہ آپ کو توفیق دے ایک ایک سینے میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بسا دو۔ کہنے سے نہیں اٹھنے بیٹھنے سے بول چال کے انداز سے حلئے سے کھانے پینے سے بیع و شرائع سے دوستی اور دشمنی سے پتہ چلے کہ یہ کس کا خادم ہے۔ یہ خود بات نہیں کر رہا اس کے منہ سے کسی کے ارشادات نکل رہے ہیں۔ اگر یہ حق غلامی نصیب ہو جائے تو دنیا کی عظمتیں بھی تمہارے قدموں میں ہوں گی۔ اسلامی سلطنت بھی بن جائے گی اور میں آپ کو یہ بات کہتا چلوں میرا یہ یقین ہے انشاء اللہ یہ ملک بھی قائم رہے گا۔ اور اس پر اسلامی حکومت بھی قائم ہو گی۔ خوش نصیب ہیں وہ جو آج اس حقیقت کو پا لیں اور اس کی طرف پیش قدمی کریں۔

لوگو! آج تمہیں ایک بے بس اسلام کو گھر لانا ہے۔ کل یہ اسلام سرفراز و سربلند کر دے گا یہ اللہ کا وعدہ ہے۔

کشف و مشاہدہ

مولانا محمد اکرم اعوان

بسم اللہ الرحمن الرحیم وَ اَوْ حَیْنَا اِلٰی اُمِّ مُوْسٰی اَرْضِعِیْهِ ج فَاِذَا خِفْتِ عَلَیْهِ فَاَلْقِیْهِ فِی الْیَمِّ وَلَا تَخَافِیْ وَلَا تَحْزَنِیْ ج اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَیْکِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ (القصص۔ آیت نمبر ۷)

ایک عجیب صورتحال ہمارے سامنے ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ کی کتاب من و عن جیسے نازل ہوئی جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہنچائی ویسے کی ویسی ہمارے پاس موجود ہے اس کی جو تشریحات، تعبیر و تفسیر، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل، آپؐ کے ارشاد عالی سے انسانیت تک پہنچی وہ بفضل اللہ تعالیٰ اہل سنت والجماعت کے پاس بالکل حرف بہ حرف محفوظ ہے بغیر کسی شک و شبہ کے۔ اس میں کوئی شک کی گنجائش نہیں اور جو لوگ حدیث پہ اعتراض کرتے ہیں ان کی نظروں میں مسلمانوں کا وہ مجاہدہ نہیں ہے کہ محض حدیث کے تحفظ کے لئے سترہ فنون، سترہ قسمیں علوم کی ایجاد کیں، جو مسلمانوں سے پہلے دنیا میں نہیں تھیں۔ جن میں صرف و نحو اور گرائمر سے لے کر اسماء الرجال تک ایسا عجیب علم کہ جس کسی نے حدیث روایت کی ہے وہ بندہ کیسا تھا؟ وہ کس خاندان کا تھا؟ کس قوم کا تھا؟ اس کا حافظہ کیسا تھا؟ اس کا کردار کیسا تھا؟ ذرہ ذرہ سی بات کی پوری تفصیل مل جاتی ہے اور پھر جب حدیث کی صحت پر اہل سنت والجماعت شہادت دیتے ہیں تو اس میں بہت سی چیزیں دیکھتے ہیں۔ حدیث بیان کرنے والا بندہ کتنا کھرا ہے۔ جس سے وہ بیان کر رہا ہے وہ بندہ کون ہے اور اس تاریخی اعتبار سے اس قابل تھا؟ اس بندے سے اس کی ملاقات ہوئی ہے یا نہیں پھر درایت کو سب پہ مقدم رکھتے ہیں کہ جو کچھ یہ کہہ رہا ہے کیا یہ زیب دیتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان کے مطابق ہے یہ بات۔ اسے درایت کہتے ہیں کہ جس کی طرف نسبت کی جا رہی ہے اس سے یہ بات میل کھاتی ہے۔ پھر دوسری احادیث اس کی تائید کرتی ہیں۔ سب سے ضروری بات یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر ارشاد قرآن کی تفسیر ہے۔ قرآن سے متصادم تو نہیں ہے؟ کیا قرآن ہی کی تفسیر ہے؟ ان ساری تحقیقات سے گذار کر اسے کہا جاتا ہے کہ یہ حدیث ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی۔ مگر کچھ لوگ آرام سے یہ کہہ دیتے ہیں کہ حدیث پر کوئی اعتبار نہیں۔ یہ کہہ دینا اتنا آسان نہیں ہے۔ حدیث کا انکار قرآن کا انکار ہے۔ آپ اس قرآن کا انکار کریں جو کتاب ہے یا اس قرآن کا انکار کریں جو ناطق ہے جو بولتا ہے چلتا پھرتا ہے کھاتا پیتا ہے۔ جیتا جاگتا ہے۔ قرآن مجسم ہے۔ حضرت عائشہ الصدیقہ سے کسی نے آپؐ کے بارے میں سوال کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کے اخلاقیات عالیہ' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اٹھنا بیٹھنا' ملنا جلنا کیسا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا **کان خلقہ القرآن**۔ مجھ سے مت پوچھو قرآن سے پوچھو کیسے بیٹھتے تھے؟ کیسے کھاتے تھے؟ کیسے ملتے تھے؟ کب سوتے تھے؟ کب جاگتے تھے؟ کیا کرتے تھے؟ کیا نہیں کرتے تھے؟ مجھ سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ قرآن پڑھتے جاؤ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادات ہی بیان کرتا چلا جاتا ہے۔ تو یہ نعمت ہمارے پاس ہے اور یہ نہ سوچو کہ ہم امریکہ سے مغلوب ہو رہے ہیں یا ہم یورپ سے مغلوب ہو رہے ہیں یا ہم کسی طاقت سے۔ اصل بات یہ ہے کہ ہمارے پاس نور ہے روشنی ہے' سورج ہے مگر یہ اندھیروں میں چھپتا جا رہا ہے۔ امریکہ یورپ کا نام نہ لو۔ سارا کفر کیا ہے ظلمت ہے تاریکی ہے۔ اندھیرا ہے اب یہ قندیل ہمارے پاس ہے لیکن ہمارے سامنے راستہ نہیں ہے۔ قندیل ہمارے پاس ہے لیکن ہمیں بجھائی کچھ نہیں دیتا۔ اندھیروں میں گم ہو رہے ہیں۔ کیوں؟

اس قندیل میں کوئی کمی ہے یا ہم میں؟ ارے سادے لوگو! کسی کے پاس چراغ ہو لیکن اس نے جلایا نہ ہو۔ صرف چراغ سے راستہ دیکھ لے گا؟ چشم بینا چاہئے۔ چراغ جلتا ہوا چاہئے۔ اس میں تیل بھی چاہئے۔ اس میں بتی بھی چاہئے۔ اسے آگ لگی ہونی چاہئے۔ اس میں روشنی بھی چاہئے۔ یہ چراغ ہے۔ ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چراغ ہیں لیکن ان کا تیل تیرا اور میرا خون ہے۔ ان کی بتی تیرا اور میرا دل ہے۔ یہ جلے گا۔ یہ روشن ہو گا اس میں آگ بھڑکے گی تو ظلمت ہٹنا شروع ہو جائے گی۔ آپ کو ظلمت اور اندھیرے کو دھکیلنا نہیں پڑے گا کہ ہٹ جاؤ وہ بھاگنا شروع کر دے گی۔ روشنی پھیلنا شروع ہو جائے گی۔ اگر اس میں آپ تیل بھی نہیں ڈالتے اپنے جگر کا خون بھی اسے نہیں پلاتے۔ اپنی جان بھی بچاتے ہیں۔ اسے جلانا بھی نہیں چاہتے' تو خالی چراغ کو سر پہ اٹھائے رکھو راستہ نظر نہیں آئے گا۔ جواب طلبی یہ ہو گی کہ تو نے چراغ کیوں نہ جلایا کہ دنیا سے ظلمتیں اٹھ جاتیں اور نور پھیل جاتا۔ جواب دینا پڑے گا کہ یورپ کے BEACHES پہ آدم علیہ السلام اور حوا علیہا السلام کی اولاد ننگی کیوں پھرتی تھی؟ اگر تو یہ چراغ جلاتا' اگر تیرا خون جگر جلتا اگر تیرا درد دل اسے آگ لگاتا تو حوا علیہا السلام کی بیٹیاں بازاروں کی زینت کیوں بنتیں؟ تیری بیٹیاں' کلمہ گو کی بیٹیاں' مسلمان کی بیٹیاں' گھنگھرو باندھ کر کیوں ناچتیں یہ جو سارا دن ہم اپنا ٹیلی ویژن دیکھتے ہیں اس پر تو امریکہ کی بیٹیاں نہیں ناچتیں۔ میرا اپنا ایمان یہ ہے کہ جو امریکہ یورپ یا دنیا کے غیر اسلامی ملکوں میں بے حیائی ہو رہی ہے ہم اس کے بھی ذمہ دار ہیں۔ وہ بھی ہمارا قصور ہے۔ ارے جس کے پاس چراغ ہے اندھیرے ہٹانے کا۔ گنہگار وہی ہے۔ چراغ تو ہمارے پاس ہے۔ ان کے پاس تو ہے ہی ظلمت۔ اسے تو چھوڑ دو۔ یہ روشن آرا سید تو میری آپ کی بیٹی ہے۔ یہ جو پاکستان ٹیلی ویژن پہ گھنگھرو باندھ کر ناچتی ہیں یہ کس کی بیٹیاں ہیں؟ کیوں؟ ارے بے وقوف ہم ویسے ہی ہو گئے ہیں۔ جیسا غیر مسلم ہے۔ قرآن کو غیر مسلم بھی پڑھتے ہیں۔ مستشرقین بھی پڑھتے ہیں۔ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ بھی پڑھتے ہیں۔ جو جتنے اعتراض کرتے ہیں وہ قرآن حدیث پڑھ کے کرتے ہیں۔ قرآن کا یہ خاصہ ہے۔ **یضل بہ کثیرا ویھدی بہ کثیرا**۔ بے شمار لوگوں کو قرآن پڑھ کر گمراہی نصیب ہوتی ہے۔ بے شمار لوگ ہدایت پاتے ہیں۔ گمراہ قرآن پڑھ کے گمراہ رہتے ہیں۔ فرمایا! ہاں اس طرح سے جیسے کسی کو بخار ہو اور اسے آپ دبا کر کھانا کھلائیں تو وہ مرے گا نہیں؟ پھر کوئی کہنے والا ہے کہ یہ دو روٹیاں یا گندم کی چوری دیسی گھی میں کھا کر کیوں مر گیا۔ ارے دیسی گھی اور چوری تو زہر نہیں تھی اس میں قوت برداشت نہیں تھی وہ مر گیا صحت مند کو دیتے ہیں تو اسے یہ طاقت دیتی ہے بیمار کو کھلائی وہ مر گیا۔

طفل را درنان دہی برجائے شیر
طفل بے چارہ ازاں نامردہ گیر

آپ شیر خوار بچے کو روٹی کھلا دیں وہ روٹی سے مر

جائے گا۔ قرآن بھی وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ۔ جو بدکار ہوتے ہیں جو برائی کرتے ہیں جو گناہ کرتے ہیں وہ قرآن پڑھ کے بھی گمراہ ہی ہوتے ہیں۔ وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ۔ وہ لوگ جو اللہ سے وعدہ کر کے توڑتے ہیں یہاں کہتے ہیں لا الہ الا اللہ باہر نکلتے ہیں تو امیدیں غیر اللہ سے وابستہ کرتے ہیں۔ زبان سے کہتے ہیں۔ اے اللہ! ہماری ساری امیدیں تیرے ساتھ ہیں۔ باہر نکلتے ہیں تو اللہ کی اطاعت چھوڑ دیتے ہیں۔ غیر اللہ سے امید وابستہ کرتے ہیں۔ بات کرتے ہیں کہتے ہیں محمد رسول اللہ' حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے رسول ہیں۔ رسول ماننے کا مطلب یہ ہے کہ میں وہ کروں گا جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہیں گے جب کرنے کی باری آتی ہے تو ایسا کرتے نہیں وعدہ کر کے اس کی مخالفت کرتے ہیں توڑ دیتے ہیں۔ فرمایا ایسے لوگ قرآن سے بھی گمراہ ہوتے ہیں۔ یہ بے چارے اتنے بیمار ہیں کہ یہ کھانا کھانے سے مر جاتے ہیں۔

ہمارا کہیں وہ حال تو نہیں کہ ہم جتنا جتنا قرآن پڑھتے ہیں گمراہی بڑھتی جاتی ہے۔ یار گذشتہ پچاس سال کا اندازہ لگانے سے تو یہی بات سامنے آتی ہے کہ ہر دن گمراہی بڑھ رہی ہے۔ قرآن پڑھنا قرآن کے محض الفاظ نہیں ہوتے قرآن کیفیت عطا کرتا ہے۔ حال عطا کرتا ہے اور وہ حال یہ ہوتا ہے کہ مومن صرف رب کو مانتا نہیں رب کو اپنے اندر موجود پاتا ہے۔ مکہ مکرمہ میں جن لوگوں پر سختی کی گئی ابتدائے اسلام میں ان میں اکثریت صرف غریبوں کی تھی۔ بلکہ غلام ابن غلام ابن غلام وہ لوگ تھے یعنی جدی پشتی غلام آنکھ اٹھا کر کسی سردار کے سامنے بات کرنا ان کی نسلوں میں کسی نے نہیں سیکھا تھا ان میں اتنی جرات کیسے آ گئی کہ ابو جہل کو کہتے جو ہو سکتا ہے کر لے میں کیسے کہہ دوں کے اللہ ایک نہیں میں کیسے کہہ دوں ارے سورج سامنے ہے تو ابوجہل دس ہو جائیں پچاس ہو جائیں وہ کہہ دیں تو کہہ دیں سورج نہیں ہے وہ کہے گا یہ سامنے ہے تو اندھا ہے مجھے کہتا ہے میں کہہ دوں میں کیسے کہوں نہیں ہے۔ وہی تو ہے۔ یہ نہیں کہ وہ بندے بدل گئے تھے۔ قد نہیں بدلا تھا۔ حلیہ نہیں بدلا تھا۔ رنگ نہیں بدلے تھے۔ شکلیں نہیں بدلی تھیں۔ صحت نہیں بدل گئی تھی۔ کہ وہ پہلے بیمار تھے۔ تب غلام تھے۔ کلمہ پڑھا تو بڑے پہلوان ہو گئے تھے۔ نہیں۔ نگاہ مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رب العلمین کو ان کے اندر بسا دیا۔ ان کے سامنے تھا ان کے پاس تھا وہ جو جگہ جگہ کہتا ہے نا۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُحْسِنِيْنَ۔ مخلص لوگوں کے ساتھ ہوتا ہوں میں۔ فرماتا ہے۔

حدیث قدسی میں آتا ہے کہ بندہ جب مجھ میں فنا ہوتا ہے تو میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں پاؤں بن جاتا ہوں آنکھیں بن جاتا ہوں کان بن جاتا ہوں مجھ سے سنتا ہے مجھ سے دیکھتا ہے مجھ سے چلتا ہے مجھ سے پکڑتا ہے۔ یعنی بندہ فنا فی اللہ اس کو کہتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ کرم نے' رب العلمین کو ان کے انگ انگ میں رچا بسا دیا اور اسی وجہ سے وہ صحابی کہلائے نفلیں پڑھنے سے کوئی نہیں صحابی بنا وظیفے پڑھنے سے' چلے لگانے سے تبلیغ کرنے سے نہیں۔ سارا دین ہی صرف اتنا تھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ تب بھی لوگ صحابی بن گئے۔ یعنی سارا دین ہی اتنا تھا احکام بعد میں آئے قرآن بعد میں نازل ہوا۔ نمازیں بعد میں فرض ہوئیں۔ روزے بعد میں فرض ہوئے۔ شراب بعد میں حرام ہوئی۔ حلت حرمت کے احکام بعد میں آئے اور لوگ صحابی پہلے بن گئے اور جو نگاہ مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آتا گیا صحابی بنتا چلا گیا۔

تو میرے بھائی! صحابی کو کیا حاصل تھا۔ ایک صحابی حاضر ہوئے مسجد نبوی میں صحابہ سے یہ چیزیں کثرت سے اس لئے روایت نہیں ہیں کہ یہ ایک عام چیز تھی اور عام چیز کو بطور خاص لکھا نہیں جاتا۔ اب ہمارے ہاں جہالت زیادہ ہے نا تو یہاں روز بات ہوتی ہے فلاں بندہ پڑھا لکھا ہے۔ لیکن جن ملکوں کی ہر گلی میں یونیورسٹی اور ہر بندہ پی ایچ ڈی ہے وہاں

کوئی نہیں پوچھتا کہ کون کتنا پڑھا ہوا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ ہر بندہ پڑھا لکھا ہے صحابہ سارے صاحب نظر ہوتے تھے اس لئے وہاں ان کی روایات عام نہیں ہیں۔ لیکن ملتی بھی بے شمار ہیں کہ ایک صحابی حاضر ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے مسجد نبوی میں تو پوچھ لیا۔ **کَیْفَ اَصْبَحْتَ۔** بھائی کیسے صبح ہوئی' کس حال میں صبح کی تم نے' عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مومن ہوں نا ایمان کے ساتھ صبح کی میں مومن ہوں۔ بحمد اللہ فرمایا کیا دلیل ہے تمہارے پاس مومن ہونے کی۔ کہا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہاں کھڑا ہوا میں میدان حشر کو دیکھ رہا ہوں۔ جنتیوں کو جنت میں جاتے اور دوزخیوں کو دوزخ میں گرتے ہوئے میں دیکھ رہا ہوں۔ اللہ کا دربار میری نظروں میں ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کرسی پر میری نگاہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تو نے سچ کہا یہ تیرے ایمان کی دلیل ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو پہلی امتوں میں کمال خال خال تھا مثلاً" یہ میں نے آیہ کریمہ تلاوت کی ہے۔ اس میں براہ راست ایک ولیہ سے اللہ کی بات ہے۔ باتفاق علماء کوئی عورت نبی نہیں ہوئی۔ اللہ فرماتا ہے میں نے بات کی موسیٰ علیہ السلام کی والدہ سے۔ **وَ اَوْحَیْنَا اِلٰی اُمِّ مُوْسٰی۔** ہم نے بات کی موسیٰ علیہ السلام کی والدہ سے اور کوئی معمولی بات نہیں کی۔ موسیٰ علیہ السلام جب پیدا ہوئے تو امی سے میں نے بات کی۔ اور اسے کہا کہ بھئی مبارک ہو تجھے بیٹا اسے سنبھال پیار کر دودھ پلا گود میں رکھ۔ ان ارضیہ۔ سینے سے لگا پال پوس بڑا کر لیکن **فَاِذَا خِفْتِ۔** فرعون کے سپاہی بھی بنی اسرائیل کے بچوں کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہیں اگر انہیں کوئی پتہ چل جائے اور تجھے خطرہ محسوس ہو کہ فرعونی سپاہی اسے آکر قتل کر دیں گے تو **فَاَلْقِیْهِ فِی الْیَمِّ۔** تو اسے دریا میں پھینک دینا۔ بڑا نسخہ رب العلمین نے بتایا۔ سپاہیوں نے قتل نہ کیا خود دریا میں ڈال دیا۔ ماں کی گود تو خالی ہو گئی۔ بچہ تو موت کے منہ میں چلا گیا۔ فرمایا نہیں ڈرنے کی بات نہیں ہے۔ **وَلَا تَخَافِیْ** پھینکتے ہوئے ڈرنا نہیں یہ رب بات کر رہا ہے ام موسیٰ سے۔ فرمایا **وَلَا تَخَافِیْ** ڈرنا نہیں۔ **وَلَا تَحْزَنِیْ۔** فکر مند بھی نہیں ہونا کہ کہیں میرے بیٹے کو کوئی نقصان ہو جائے گا۔ نہیں۔

اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَیْکِ۔ میں اسے موڑ کر تیری ہی گود میں لاؤں گا۔ تو دریا میں پھینک دے اور دیکھ میری قدرت کا تماشہ کہ میں اسے واپس تیری گود میں لاتا ہوں اور صرف یہ نہیں کہ تیری گود میں واپس لاؤں گا۔ **وَ جَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ۔** میں اسے اپنا رسول علیہ السلام مبعوث کروں گا۔ فکر نہ کر۔ یہ کیا تھا اسے ہی الہام و القا کہا جاتا ہے۔

وحی اصطلاحی صرف نبی پر آتی ہے وحی اللہ کے لئے جب اس کا استعمال ہو تو اسے الہام یا القا کہ اللہ کی طرف سے وہ بات انہیں سنائی دی ان کے دل میں ڈال دی۔ وہ رب کی مرضی کیسے لیکن رب نے ان سے بات کر لی۔ ام موسیٰ کو یقین تھا مجھ سے میرا رب ہم کلام ہے اور اس ساری بات پر عمل بھی کیا معمولی عمل نہیں تھا کہ چند دن کے بچے کو اٹھا کر دریا میں پھینک دیا عمل بھی کیا بچہ واپس بھی آیا اور بچہ رسول مبعوث بھی ہوا۔ اگر امت موسوی کے ولی کو یہ کمال حاصل ہے تو امت محمدیہ میں کیوں نہیں ہو سکتا۔ کیا اعتراض ہو سکتا ہے اگر عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ فرشتے سے بات کر سکتی ہیں تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غلام کیوں نہیں کر سکتا؟ کر سکتا ہے۔ اور یہ اللہ کریم کا احسان ہے اس سلسلہ عالیہ پر کہ حضرت رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے زمانے میں میں نے دیکھا اور زندگی میں ایک ہی مسجد دیکھی جس کا پانی بھرنے والا خادم فنا فی الرسول" تھا۔ میں نے زندگی میں یہ دیکھا ہے کہ عموماً" مساجد کے خادم بے نماز ہوتے ہیں۔ یہ پانی بھرنے والے' صفائی کرنے والے' نمازی تک نہیں ہوتے۔ آئے پانی بھرا چلے گئے۔ لیکن جب ہم سبق لینے جاتے تھے تو حضرت رحمتہ اللہ علیہ

کی مسجد کا جو خادم تھا وہ فنا فی الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھا اور بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتیں ہمارے ساتھ کیا کرتا تھا۔ ایسا عجیب آدمی تھا یہ میرے سامنے کی بات ہے۔ ایک دن ہم گئے تو حضرت رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرمانے لگے دیکھو اس بڈھے کو دیکھو اس کا دماغ چل گیا ہے تو میں نے کہا بابا کیا کیا تو نے۔ کہتا ہے "کچھ نہیں یار حضرت رحمتہ اللہ علیہ خفا ہوتے ہیں حضرت زبردست سخت مزاج آدمی ہیں۔ حضرت رحمتہ اللہ علیہ ناراض ہو گئے۔ میں ذکر کر رہا تھا تو کہیں سے ایک سانپ نکل آیا" وہ جو ہوتا ہے کوبرا اور یہ سر مارتا رہا تو اس کی عادت ہے یہ جدھر سر مارتا تو وہ اسے ڈنگ مارتا رہا اور اس نے اوپر کوئی کپڑا سا پتلا سا لے رکھا تھا۔ "تو حضرت رحمتہ اللہ علیہ خفا ہیں کہ تو ذکر چھوڑ کر اسے دفع کر میں نے کہا کون ذکر چھوڑے۔ تھک کر چلا جائے گا۔ میں اپنے موج میں تھا تو میں نے محسوس تو کیا لیکن میں نے کہا دفع کرو تھک جائے گا چلا جائے گا۔ میرا کیا بگڑ رہا ہے۔" آخر وہ سانپ تھک کے چلا گیا۔ بندے نے اپنے لطائف کا تسلسل نہیں توڑا تو حضرت رحمتہ اللہ علیہ ناراض ہو رہے تھے کہ یہ تو زیادتی ہے۔ اسے بھگا دیتا۔ مار دیتا پھر شروع کر دیتا۔ "شرم آتی تھی کہ میں ذکر چھوڑ دوں اور مرنا ہے تو ویسے بھی مرنا ہے سانپ کاٹے تو مروں گا پھر کیا فرق ہے ذکر کرتا مر جاؤں تو کیا حرج ہے۔" ہم نے ایسے مسجد کے خادم دیکھے ہیں۔

لیکن یہ نعمت بعد میں بہت کم ہو گئی تھی کچھ حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے اس پہ پابندی لگائی آج تک قدرتی طور پر جس کو مشاہدہ ہو جاتا ہے ہو جاتا ہے۔ ورنہ میں نے آج تک اسے بند ہی رکھا پتہ ہے کیوں؟ یار لوگوں میں احساس مر چکا ہے کہ کس چیز کی قیمت کیا ہے؟ یہ میں سارا فسانہ اس لئے کہہ رہا ہوں کہ اب مجھے جو اگلے دن ایک دو خط آئے تو ان میں یہی کشف مشاہدات کی باتیں تھیں۔ میں نے انہیں لکھا کہ یار یہ کشف اس لئے نہیں کہ جس پر تم استعمال کر رہے ہو' ایک خط میں لکھا ہے۔ "مجھے مشاہدہ ہو گیا ہے۔ کشف میں میں نے دیکھا کہ شیخ نے تو اقربیت تک کرائے تھے مراقبات۔ پھر مجھے سالک المجذوبی ہو گئی۔ پھر میں ساتویں عرش میں چلا گیا۔ میں نے کہا یار ہم نے تو بغیر باپ کے اولاد پیدا ہوتے نہیں دیکھی۔ تمہارے ہاں کیسے ہو گئی۔ مجھے نہیں سمجھ آتی اگر شیخ نے نہیں کرائے تو تجھے کیسے ہو گئے۔ جس اولاد کا کوئی باپ ثابت نہیں ہوتا وہ اولاد ثابت نہیں ہوتی۔ جو کچھ تو کہہ رہا ہے اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ اور کشف ہوتا ہے اللہ کو روبرو دیکھنے کے لئے احکام الٰہی کی حکمتیں سمجھنے کے لئے اسرار و رموز شریعت سمجھنے کے لئے گناہ کی ظلمت دیکھنے کے لئے خطا ہو جائے تو پتہ چلے کہ یہ تو اندھیرا ہو گیا اور سجدے میں قبولیت کی نور دیکھنے کے لئے کہ یہ تسبیح تو قبول ہو گئی۔ روئے زمین سے تو یہاں لوگ آتے ہیں امریکہ سے جاپان تک لیکن رب العلمین کا کتنا عجیب احسان ہے کہ مدینتہ الرسول سے بھی ساتھی یہاں اعتکاف کے لئے آئے ہیں۔ اس لئے نہیں کہ یہ کوئی مدینہ منورہ سے بہتر جگہ ہے۔ روئے زمین ساری ہزاروں بار پھر پیدا ہو ان گلیوں پہ نثار کی جا سکتی ہے اس لئے نہیں کہ یہ آبادی بہتر ہے۔ بات صرف ایک ہے یہاں دل کی آنکھوں کا وہ اپریشن ہوتا ہے کہ مدینے والا نظر آتا ہے اس کے بغیر مدینہ منورہ بھی جاؤ تو در و دیوار تو نظر آتے ہیں۔ صاحب خانہ کی زیارت اور بات ہے ارے اس گھر کی اس در کی اس خاک کی ان گلیوں کی ان فضاؤں ان پہاڑوں کی زیارت بھی بہت زیادہ قیمتی ہے جس کا میں اوز آپ اندازہ نہیں کر سکتے لیکن کہاں وصال محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہاں رخ انور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہاں انوارات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہاں وہ مشاہدات باطنی اور کہاں وہ آنکھ۔

خوشا چشم کہ با تو باز گردد

عجیب آنکھ جو کھلے تو رخ انور پہ جا ٹھہرے۔ اس لئے لوگ یہاں آئے ہیں۔ میں نے دس برس اس چیز کو' مشاہدات کو روک کے رکھا۔ انشاء اللہ آج میں چھوڑ رہا

ہوں۔ جنہیں گمراہ ہی ہونا ہے ان کو تو میں بچا نہیں سکتا جنہیں استقامت نصیب ہونی ہے اسے روک کر کیوں رکھوں۔ ہو جائیں جنہیں ہونا ہے۔ میرا خیال تھا کہ شاید میں اچھا کر رہا ہوں لیکن جنہیں گمراہ ہونا ہے وہ اس کے باوجود ہو رہے ہیں۔

یاد رکھو! مشاہدات سے جو لوگ گمراہ ہوتے ہیں ان سے ضرور، یقیناً" کوئی ایسی بد عہدی اللہ سے ہوتی ہے کہ یہ حیات کا نسخہ ان کے لئے موت کا سبب بن جاتا ہے اور ہم نے ہوتے دیکھے اپنے ساتھی اپنے سے پہلے اپنے سے بعد آنے والے۔ اپنے سے پہلے صاحب کشف لوگ تھے ہمارے آنے سے پہلے ان کو گمراہ ہوتے دیکھا ہمارے ساتھ تھے۔ انہیں مشاہدات ہوئے ان کو گمراہ ہوتے دیکھا ہم سے بعد میں آئے انہیں مشاہدات ہوئے انہیں گمراہ ہوتے دیکھا اس لئے میں اس سے ڈرتا تھا۔ لیکن دس سال بعد مجھے یہ سمجھ آئی کہ اس میں میرا کوئی اختیار نہیں ہے۔ جنہیں گمراہ ہونا ہے وہ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ کشف کی وجہ سے نہیں تو پھر کشف کو لوگوں سے کیوں روکیں ٹھیک ہے جسے اللہ دیتا ہے اسے لینے دیں۔ لیکن میری ایک بات سن لو میں تمہیں بتا رہا ہوں کل عرصہ محشر میں یہ شکوہ نہ کرنا کہ ہمیں خبر نہ تھی کشف مومن کا ورثہ ہے۔ ملکیت ہے۔ حق ہے۔ جب موت آتی ہے زندگی ختم ہوتی ہے تو کافر بھی فرشتے سے بات کرتا ہے۔ قرآن ناطق نہیں ہے۔ فرشتے کافر کو نہیں کہتے۔ فِیمَا کُنتُمْ۔ کیا کرتے رہے ہو دنیا پر ابھی زندہ ہوتا ہے فرشتے سے بات ہو جاتی ہے لیکن توبہ کی قبولیت کا وقت گزر چکا ہوتا ہے مرتا ہے تو فرشتے سے سوال و جواب کرتا ہے جنت و دوزخ کو دیکھتا ہی نہیں بلکہ کافر دوزخ کو محسوس کرتا ہے اس کی قبر دوزخ کا گڑھا بن جاتی ہے اگر مومن نے بھی مر کر ہی جنت دیکھنی ہے تو وہ ایمان کس کام کا اگر ساری زندگی سنی سنائی پہ رہنا ہے تو ایسے ہی مومن پیدا ہوں گے جو کفر کے غلام ہوں گے جن پر کافر حکومت کریں گے جو ذلت و رسوائی کا سبب ہوں گے اسلام کے لئے اسلام کے خادم وہ مومن ہوں گے جو رب العلمین کو روبرو دیکھیں گے۔ جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور دیکھیں گے جو قرآن کے الفاظ ہی نہیں ہر ہر لفظ پر اترتے ہوئے انوارات کا مشاہدہ کریں گے جن کے سجدے ان کے قلوب میں مزید جذب پیدا کریں گے اور جن کی تسبیحات برکات الٰہی کو متوجہ کریں گے یہ وہ مومن ہوں گے جو دنیا کی تقدیر بدل دیں گے۔

ایک صحابی اپنے مومن ہونے کی دلیل مشاہدہ آخرت کو قرار دیتا ہے اور تو اور میں محروم ہیں تو ہمارے مومن ہونے کی دوسری دلیل کیا ہے؟ اور یہ اندھا پن ہے ہمیں اسلام پر عمل کی توفیق ارزاں نہیں ہوتی اندھے کبھی راستوں پہ چلے ہیں؟ اندھے کو راستہ بھتا ہے کہ راستے پر چلے؟ اس لئے میرے بھائی اللہ مجھے معاف کرے میں نے جو روکے رکھا میں نے چھوڑ دیا ہے۔ موج کرو اور انشاء اللہ العزیز اس طرح مشاہدات ہوں گے ساتھیوں کو کہ تاریخ میں ریکارڈ رہے گا۔ لیکن یاد رکھو یہ مشاہدہ اللہ کی عظمت سمجھنے کے لئے ہے تمہیں غوث بنانے کے لئے نہیں ہے۔ جب کشف ہوتا ہے تو شیطان کی بات سننا اور شیطان جو تصویریں پرنٹ کرتا ہے وہ دیکھنا بھی آسان ہو جاتا ہے۔ آنکھ کھلتی ہے نا جب تو صرف کعبہ ہی نظر نہیں آتا۔ ہر گوار بھی آتا ہے نظر۔ فرق یہ ہے کہ حق بات، اپنا نہ ہونے کا احساس ہوتا ہے اور اللہ کی عظمت کا احساس ہوتا ہے اور شیطان کی طرف سے جو وسوسہ آتا ہے اس میں اپنی بڑائی ہوتی ہے تو فلاں عرش پر پہنچ گیا تو غوث بن گیا تو قطب بن گیا۔ تو فلاں بن گیا تو فلاں بن گیا وغیرہ۔ ان پر یقین کا احساس تباہی ہے۔ ایک ساتھی بہت کام کر رہا ہے اور اچھا کام کر رہا ہے۔ بے شمار لوگوں کو ذکر کرایا۔ اس کا خط آیا کہ میں رات کو سوتا ہوں تو دو تین بزرگ آجاتے ہیں مجھے اٹھا دیتے ہیں مجھے بڑا ذکر کراتے ہیں۔ میں نے کہا میرے بھائی شیطان ہیں کوئی بزرگ شرگ نہیں ارے بے وقوف جب تجھے سیدھا کلمہ نہیں آتا تھا اس وقت وہ بزرگ کہاں تھے۔ تیرا لطیفہ قلب جاری نہیں تھا

اس وقت وہ بزرگ کہاں مر گئے تھے۔ جب تجھے ذکر کا طریقہ نہیں آتا تھا اس وقت یہ بزرگ کہاں تھے۔ سیک سیک کر تو انڈوں سے تجھے ہم نے نکالا اب جب کل پرزے لگے تو بزرگ آ گئے۔ چلانے والے' اڑانے والے' یہ شیطان ہیں تمہیں گمراہ کریں گے اور کوئی بزرگ وزرگ نہیں ہیں۔ تمہاری بزرگی کو ہم کافی ہیں ہم سے رہنمائی لو جو بات سمجھ نہ آئے پوچھ لو اور اتباع شریعت تمہارا کام ہے اور عظمت اللہ کے لئے ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ہے۔ تمہارے لئے غلامی ہی سب سے بڑی عظمت ہے۔ مت سمجھو زندگی بھر کہ میں کچھ بن گیا ہوں تو کچھ نہیں بن سکتا۔ تیرے ایک ایک ذرے میں ظلمت ہے۔ اصلی اور حقیقی زحمت' اسے منور کرنا انوارات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کام ہے جب بھی انوارات جائیں گے تیری ظلمت باقی رہ جائے گی۔ تیرے پاس کچھ نہیں ہے نہ تو غوث بنے گا نہ تو قطب' تو تو کچھ بھی نہیں بنے گا۔

چنگیز خان کے پوتے نے مذاق کیا تھا ایک ولی اللہ سے۔ شکاری کتا اس کے ساتھ تھا کہ یہ میرا کتا بہتر ہے یا تو مسلمان؟ انہوں نے فرمایا اس کا جواب میں اب نہیں دے سکتا۔ حیران ہوا کیوں؟ شکار کے لئے نکلا تو شکار گاہ میں ان سے ملاقات ہو گئی درویش تھے جنگل میں کہیں اپنے کام سے جا رہے تھے اسے بڑا غصہ آیا کہ میرا راستہ اس نے کیوں کاٹا۔ میرے شکاری جانور بھگا دے گا۔ یہ کون پھرتا ہے اس میں۔ شکاری جب کہیں گھات پہ جا رہا ہو تو وہاں کوئی بندہ نظر آئے تو وہ بڑا پریشان ہوتا ہے کہ یار جانور تو اس نے بھگا دیئے ہوں گے۔ وہ بڑا خفا ہوا تو غصے میں اس نے کہا کہ تو بہتر ہے یا میرا یہ کتا؟ انہوں نے فرمایا اگر تو میں ایمان پر مرا تو پھر تو میں تجھ سے بھی اور تیرے جیسے لاکھوں سے بہتر ہوں اور اگر ایمان پر خاتمہ نہ ہوا تو پھر تیرا کتا بہتر ہے۔ لیکن یہ میرے خاتمے پہ ہو گا۔ آج اس کا جواب نہیں ہے۔ نزع کے وقت انہوں نے بیٹے کو بلا کر کہا کہ جانا اور اس کے پاس میرا پیغام لے جانا اور اسے کہنا کہ میں تیرے کتے سے بہت اچھا تھا یہ پیغام اسے پہنچا۔ جہاں سے تاتاریوں میں اسلامی انقلاب آیا اور وہ لڑکا مسلمان ہوا۔ اس کی پوری سلطنت مسلمان ہو گئی۔ ایک بندہ مرتے مرتے ایک کافر طاقت کو پکڑ کر اسلام کی غلامی میں دے گیا۔

تو مشاہدات کا حاصل یہ نہیں کہ تو غوث ہو گیا' تو قطب بن گیا' مشاہدات کا حاصل یہ ہے کہ تجھے گناہ کا احساس ہو نیکی کا شعار ہو اللہ کا خوف ہو اور غیر اللہ کا خوف دل سے نکل جائے۔ کفر کے لئے تو تیغ براں بن جائے اور احقاق حق کے لئے شمع صداقت بن جائے۔ دنیا میں تجھ سے نور روشنی اور حق غالب آئے کفر کے اندھیرے سمٹنا شروع ہو جائیں برائی ہٹنا شروع ہو جائے برائی سمٹنا شروع ہو جائے۔ یہ تیرے مشاہدات و مکاشفات کی دلیل ہے۔

انشاء اللہ مشاہدات ساتھیوں کو بہت زیادہ ہوں گے۔ فرشتوں سے باتیں ہوں گی۔ بیت اللہ شریف نظر آئے گا۔ بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضری ہو گی اندھوں کی آنکھیں کھل جائیں گی لیکن سنبھل کر رہنا تمہاری اپنی ذمہ داری ہے۔ اور میں میدان حشر میں بھی یہی کہوں گا جو آج کہہ رہا ہوں۔ بارالٰہا میں نے دس سال روکے رکھا تو بھی جنہیں گمراہ ہونا تھا۔ وہ ہوتے ہی رہے۔ میں نے عام کر دیا کہ جنہیں ہدایت پانی ہے وہ تو پائیں۔ اب تک ساتھیوں کو منازل ہوتے تھے مشاہدات نہیں ہوتے تھے اکثر کو اس لئے کہ روکے ہوئے تھے۔ میں سمجھتا تھا کہ اس سے گمراہ ہوں گے لیکن جنہیں ہونا ہے وہ پھر بھی ہو رہے ہیں۔ آپ نے تو نہیں کرائے ہمیں مقامات ہو گئے ہیں۔ عجیب بات ہے مجھے لکھتے ہیں۔ باپ کو کوئی خط لکھے کہ تو تو گھر چھٹی نہیں آیا لیکن میرا بھائی پیدا ہو گیا۔ نرالا آدمی ہے میری سمجھ میں تو نہیں آتا۔ وہ کیسے لکھے کہ بیٹھا دوسرے ملک میں ہے لیکن گھر بھائی پیدا ہو گیا۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ شیخ رابطہ ہوتا ہے بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمہارے درمیان۔ شیخ کے اپنے پاس' ہمارے اپنے پاس کچھ نہیں ہے۔ کوئی شیخ ویخ نہیں ہوں۔ میں تو شیخ بھی نہیں۔

مجھے تو پکڑ کر اس خدمت پر لگا دیا گیا میں تو ایک عام مزدور پیشہ آدمی ہوں اور اپنی اصلاح کے لئے حضرت رحمتہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا مجھے پیری نہیں چاہئے تھی اور میں وہ بندہ جس نے حضرت رحمتہ اللہ علیہ سے بھی عرض کیا تھا کہ حضرت اگر تو فقیری کپڑے پھاڑنے اور چھائی ملنے میں ہے تو ہم نے تو بڑے زور زار سے لڑائیں بڑھائیاں کر کے شادیاں کی ہیں اور اچھے اچھے گھر بنائے ہیں۔ محنت مزدوری کر کے پیسہ کمایا گاڑیوں پہ پھرتے ہیں یہ چیزیں ہم تو نہیں چھوڑیں گے۔ ہم نے تو محنت سے کمائی ہیں۔ کوئی چیز چھینی نہیں تو یہ کیسی فقیری ہے تو فرمایا! نہیں فقیری یہ نہیں ہے۔ فقیری یہ ہے کہ ان چیزوں میں غرق ہو کر اللہ کو نہ چھوڑ دیں اور اللہ کا قرب اتنا نصیب ہو کہ کائنات کی سلطنت بھی تمہارے پاس آ جائے تو تم فقیر ہی رہو۔ تو تب سے میرے نام کا حصہ ہے فقیر۔ یہ میں نے نہیں رکھا تھا یہ تب سے اس واقعہ سے آ رہا ہے یہ میرے نام کا لاحقہ ہے۔

تو میرے بھائی اس پر گھبرانے کی کوئی بات نہیں کہ کوئی اعتراض کرے کہ یہ کہتا ہے ہمیں کشف ہوتا ہے ہمیں ہوتا ہے تم سے کوئی فیس نہیں مانگتے کہ ہمیں کشف کرا دو۔ ٹکٹ لگانا پڑتا ہے۔ ہمیں ہوتا ہے تمہیں کیا اعتراض ہے بھائی۔ اگر کوئی کہے کہ شرعاً" ثبوت نہیں ہے۔ شرعاً" تو ثبوت ہے کہ سارا دین کشفاً" حاصل ہوا نبی علیہ السلام کو۔ فرشتے سے بات کر کے حاصل ہوا۔ اللہ سے بات کر کے حاصل ہوا۔ اسلام کی تو بنیاد ہی اس بات پر ہے کہ اسلام تو بات ہی آخرت کے لئے جینے کی کرتا ہے اور اسلام تو کہتا ہے **اِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطٌ بِالْكٰفِرِيْنَ**۔ کافر دوزخ میں ہی جی رہا ہے دوزخ کے اور کافر کے درمیان ہلکا سا پردہ ہے حیات دنیاوی کا کافر کو جہنم گھیرے ہوئے ہے۔

لیکن یاد رکھو یہ سارے کمالات عظمت رسالت کو جاننے کے لئے، نیکی کی قدروقیمت پہچاننے کے لئے، اسلام پر جان دینے کے لئے، اللہ پر اعتماد پیدا کرنے کے لئے ہیں۔ تمہیں تمہاری بڑائی بتانے کے لئے نہیں ہیں اور جب اپنی بڑائی کی کوئی بات آئے تو سمجھ لینا شیطان کی طرف سے ہے اور میں تمہیں ایک اور نشانی بھی بتاتا چلوں کسی بھی صاحب کشف، صاحب ذکر، قلبی ذاکر کو جب شیطان کا القا ہوتا ہے تو اس کے بدن کا بال بال کھڑا ہو جاتا ہے۔ بالکل اندھا ہو تو اس کی بات پہ اعتبار کر لے گا ورنہ شیطان کافر کے پاس بھی آئے تو اس کے دل میں بھی خوف پیدا ہوتا ہے۔

ہم جب شروع شروع میں ذکر کرتے تھے میں وہ سارے واقعات نہیں دہرا سکتا جو کچھ میرے پاس ہے جو کچھ ہم نے دیکھا تماشا۔ تقسیم ملک سے پہلے ایک ہندو حضرت رحمتہ اللہ علیہ کے پاس آیا۔ ہندو بھی بڑا مجاہدہ کرتے تھے اور تنہائی میں بیٹھتے تھے۔ پھر انہیں مختلف چیزیں کبھی آگ کبھی روشنی کبھی کوئی صورت نظر آ گئی تو وہ اسے چیزیں لا دیتی تھی۔ اٹھا کر دور سینکڑوں میل دور چھوڑ آتی تھی اس نے کہا مجھے یہ کمال حاصل ہے جب اپنے مراقبے میں بیٹھتا ہوں تو ایک صورت آجاتی ہے جہاں میں کہوں مجھے لے جاتی ہے۔ چھوڑ آتی ہے۔ آپؒ نے فرمایا ایک بات بتاؤ وہ شکل جب آتی ہے یا تمہیں اٹھاتی ہے تو تمہیں ڈر لگتا ہے یا خوشی ہوتی ہے۔ "ڈر لگتا ہے" فرمایا ڈر کیوں لگتا ہے۔ وہ تو تمہارا نوکر ہے خادم ہے۔ سینکڑوں میل تمہیں اٹھا کر لے جاتا ہے۔ پھر ڈرتے کیوں ہو۔ کہنے لگا یہ سمجھ نہیں آتی لیکن دل میں ڈر پیدا ہوتا ہے فرمایا یہی دلیل ہے کہ وہ شیطان ہے۔ انسان کافر بھی ہو تو شیطان قریب آئے تو اس کے دل میں ایک لرزہ سا گزر جاتا ہے۔ جو دشمن ہے۔ **اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ**۔ یہ انسانیت کو خطاب ہے کافر کو بھی یہ بتا رہا ہے اللہ کہ دوست تیرا بھی نہیں ہے تو بھی انسان ہے تیرا بھی یہ دشمن ہے پھر پتہ نہیں کیوں کر اس کے القا پہ ساتھی بھی اعتبار کر لیتے ہیں۔ تو میرے بھائی اللہ کریم آپ کے سینے کو روشن کرے۔ دل کی آنکھیں بینا کرے۔

لیکن یاد رکھنا اللہ کی عظمت کے لئے دے رہا ہوں تمہاری بڑائی کے لئے نہیں اللہ کریم آپ کو نصیب کرے۔

وَ اٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

شعور

حضرت مولانا محمد آکرم اعوان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۝ اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَ یَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝

ال عمران۔ ۹۰ ۔ ۹۱

صانع کائنات اور خالق کل، جس نے مخلوق کو پیدا فرمایا اور اپنی پسند سے اس میں صفات تقسیم کیں، استعداد بخشی، اپنی مرضی سے ان میں ضرورتیں بانٹیں اور انہیں پورا کرنے کا شعور بخشا۔ اپنی پسند سے اس نے زمین و آسمان بنائے ان میں اپنی مختلف مخلوق کو بسایا۔ اس سارے نظام میں اس نے انسان کو اس سارے نظام کا خلاصہ اور جامع بنا دیا۔ جتنی وسعت اس پوری کائنات میں ہے اس سے کہیں وسیع تر نظام اس نے ایک انسانی جسم میں سمو دیا۔ جس طرح فضا کے موسم بدلتے ہیں اسی طرح انسانی مزاج بدلتے ہیں۔ جس طرح فضا میں بخارات بارش اور روئیدگی ہوتی ہے انسانی نظام دوران خون سارا اسی طرح سے چلتا ہے۔ جس طرح زمین پر رہنے بسنے والوں میں تفاوت اور تفرق ہے ایک انسانی وجود میں بے شمار ایسی مخلوق ہیں جس کے اپنے اپنے کام ہیں اب تو موجودہ سائنس نے بھی اسے دریافت کر لیا ہے۔ کہ اس کا شمار ممکن نہیں۔ یعنی ایک کائنات ایک وجود انسانی کے اندر اس نے بسا دی۔ اس سارے کے ساتھ انسان کو اس نے خاص شعور عطا فرمایا۔ شعور کے خاص اور عام ہونے میں تھوڑا سا ایک فرق ہے۔ میں جسے عام کہوں گا اس سے میری مراد یہ ہے کہ جو فطری تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے ساری مخلوق کو عطا ہوا ہے۔ شہد کی مکھی کتنے کمال سے رس اکٹھا کر کے اس کا شہد بناتی ہے۔ اس کے ایک ایک خانے میں جو پیمائش ہے اس کی ڈیل ڈول اور شباہت ہے۔ ہشت پہلو خانوں کا چھتہ بناتی ہے۔ اور موم سے ہر خانے کا سائز ایک جیسا ہے ہر خانے کے ہر ضلعے کا سائز ایک سا ہے اس کی گہرائی ایک سی ہے۔ اس کی شکل و شباہت ایک سی ہے اس کی موٹائی اور تہہ ایک سی ہے تو اس کے لئے اسے کوئی پیمانے نہیں لینے پڑتے یہ اس کا ایک فطری عمل ہے جو اس کے لا شعور میں اللہ نے سمو دیا ہے۔ یہ کمال صانع کا ہے جس نے اس کے مزاج میں اس طرح کی چیز سمو دی ہے۔ تو یہ عام ہے یہ ہر مخلوق کو عطا کیا گیا ہے۔ مچھلی کا بچہ پیدا ہوتے ہی تیرنا شروع کر دے۔ جانور کا بچہ پیدا ہو کر اپنی خوراک ماں کے پیٹ سے تلاش کر لے گا۔ تو یہ ایک فطری عمل ہے۔ جسے سیکھنے کے لئے کہیں نہیں جانا پڑتا۔ بھوک

لگتی ہے' پیٹ بھرنا ہے اب جانور تک میں یہ شعور ہے کہ یہ چیز مجھے کھانی ہے یہ نہیں کھانی۔ پانی پینے کے لئے فلاں جگہ جوہڑ ہے یا چشمہ ہے۔ یا فلاں جگہ پانی ہے فلاں جگہ نہیں ہے تو یہ ایک عام عطا ہے۔ اللہ کریم کی۔ زندگی گزارنے کے اسباب' زندہ رہنے کے ذرائع' پیٹ بھرنے کے اسباب' اپنی ضرورتوں کا احساس اور ان کی تعمیل اس نے ساری مخلوق کو عطا کیا ہے۔ انسان میں باقی مخلوق کے علاوہ ایک خاص شعور بھی رکھا ہے اس نے۔ اور اس آیت کریم میں اس پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اسے لب کہا گیا ہے۔ لب ہوتا ہے کسی بھی شے کا اصل خلاصہ۔ اس میں جو جان ہوتی ہے اسے لب کہتے ہیں۔ تو انسان کا لب کیا ہے وہ خاص شعور جو اسے اللہ نے بخشا ہے۔ اور وہ شعور یہ ہے کہ وہ صرف اپنی ضروریات کو ہی نہیں پہچانتا بلکہ اپنے مقصد تخلیق کو جانتا ہے اور خالق کی ذات اور اس کی صفات کو پہچانتا ہے۔ یہی وہ خاص شعور ہے جس نے اسے باقی مخلوق میں بہت ممتاز کر دیا ہے۔ اور صاحب لب کون ہے۔ انسانوں میں بھی تو بہت سا تفاوت ہے۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ ○ تخلیقی طور پر تو سارے انسان انسان ہی پیدا ہوتے ہیں لیکن پھر وہ جو اپنی راہ اپناتے ہیں۔ زندگی گزارنے کی یا جو طریقہ اختیار کرتے ہیں یا جو نظریہ اپناتے ہیں وہ انہیں بعض اوقات جانوروں سے بھی نیچے لے جاتا ہے۔ اب جتنے بھی ادیان باطلہ ہیں ان سب کی اگر آپ فلاسفی پر غور فرمائیں تو اس کا حاصل یہ ہے کہ انسان سے انسانیت بھی گئی۔ یعنی مذہب کے نام پر بھی دنیوی ضروریات کی تکمیل کا وعدہ دیا گیا ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں اس بت کو پوجا کرو اولاد دے گا اس پر قربانی چڑھاؤ پیسے ملیں گے۔ اس پر چڑھاوا چڑھاؤ بیماری ٹھیک ہو جائے گی۔ اور اس طرح کے عجیب و غریب۔ میں باہر تھا تو میرے ساتھ ایک ڈرائیور جو تھا وہ ہندو تھا۔ میرے پاس ایک دوست کی گاڑی تھی۔ اس کا ڈرائیور ہندو تھا۔ تو ان دنوں ان کا عجیب سا تہوار تھا۔ اس کا مجھے نام یاد نہیں رہا۔ کہنے لگا کہ کل میں نہیں آ سکوں گا ہمارا کل تہوار ہے۔ اس میں مجھے شمولیت کرنی ہے۔ تو میں نے کہا تمہارا یہ تہوار کس قسم کا ہے۔ وہ بتانے لگا کہ یہ اس طرح ہوتا ہے کہ کوئی دیئے جلاتے ہیں اس میں خاص قسم کا تیل جلاتے ہیں کوئی خاص قسم کی پڑھی جاتی ہیں چیزیں اور پھر آٹے کا پیڑا بنا کر اس دیئے میں سے اس پر تیل وغیرہ لگا کر کسی چوک میں یا کسی موڑ پر یا کسی گلی میں چھوڑ آتے ہیں تو پھر ہوتا یہ ہے کہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ جس کا پاؤں اس آٹے کے پیڑے پر پڑ جائے گا اتفاقاً" تو اس گھر میں جتنی بیماریاں ہیں وہ اس کو لگ جائیں گی اور تمہاری جان چھوٹ جائے گی۔ عجیب بات ہے کہ ایک چیز مذہب کے نام پر کرتے ہیں اور اس کا حاصل یہ ہے کہ آپ اپنی پریشانیاں یا بیماریاں جمع کر کے تو کسی راستہ چلتے آدمی کو چمٹا دیتے ہیں کیا عجیب فلاسفی ہے اس میں کون سی انسانیت ہے۔ یہ تو جانوروں سے بھی گئی گزری بات ہے۔ یہ کیا مذہب ہوا۔ یعنی محض حیوانی خواہشات میں یا ضروریات میں ان کی تکمیل کی جو رسومات بنائی گئی ہیں ان کا نام مذہب رکھ دیا گیا ہے۔ اور اس میں اخلاقی پہلو اتنا بھی نہیں ہے کہ اپنی بیماری سے جان چھڑانا تو اچھی بات ہے لیکن اپنی بیماری کسی دوسرے کے گلے ڈالنا بالکل ہی اور بات ہے۔ مختلف بات ہے۔ بیماری کا علاج کرنا تو ایک بات بھی ہے لیکن وہ مرض یا وہ بیماری کسی راستے چلتے کے گلے ڈالنا یہ تو میرے خیال میں کوئی طریقہ نہیں ہے۔ یہ وہ چیزیں ہیں کہ انسان انسان تو رہتا ہے لیکن وہ اس شعوری اعتبار سے حیوانوں یا جانوروں کی سطح سے بھی گر جاتا ہے۔ لیکن جنہیں ایمان نصیب ہو اللہ کے ساتھ تعلق نصیب ہو وہ گرتے نہیں وہ انسانی معیار میں مزید خوبصورت ترقی کرتے ہیں۔ اس میں مزید آگے بڑھتے ہیں۔ مزید انسانی عظمتیں حاصل کرتے ہیں۔ اور انہی کو صاحب لب کہا ہے۔ اور فرمایا جب انسان کو یہ نعمت حاصل ہو تو پھر اس کے لئے کسی بڑے وعظ کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی یہ کائنات اس کا نظام اس کی تخلیق۔ اب ارض و سماء کی جو تخلیق ہے وہ

اتنا بڑا عجیب کام ہے کہ سوائے اللہ کے کسی کی طرف منسوب کرنا ممکن ہی نہیں۔ چونکہ اللہ کے سوا باقی ہر کوئی خود مخلوق ہے اور اس تخلیقی عمل سے کسی طرح گزر کر وہ وجود جو ہے وہ ظہور پذیر ہوا اور تخلیق یہ اتنی بڑی ہے کہ کوئی لمحہ نہیں جاتا کہ یہ تخلیق کا عمل جو ہے یہ مسلسل جاری نہ ہو اور آج تک کوئی ایسا پیمانہ نہیں ہے کہ جس سے ناپا جا سکے کہ ایک لمحے میں کھربوں نئی چیزیں یا بے حساب نئی چیزیں پیدا ہوتی چلی جاتی ہیں۔ کوئی شمار ہی نہیں یعنی ارض و سماء کی تخلیق ایک عمل نہیں تھا کہ ایک دفعہ اللہ کریم نے کر دیا اور وہ ختم ہو گیا اس میں ایسا نظام رکھا کہ اس کی صنعت ہر لحظہ جاری ہے۔ اب زمین پر روئیدگی کو ہی لے لیجئے کون جانتا ہے کہ ایک لمحے میں کتنے تنکے گھاس کے پیدا ہوتے ہیں۔ کتنے درختوں کے بیج پھوٹتے ہیں۔ کتنی کھیتیاں اگتی ہیں۔ کتنا جو زمینی عمل ہے اس میں کیا کیا تبدیلیاں آتی ہیں۔ کتنی چٹانیں بنتی ہیں۔ کتنی ٹوٹتی ہیں۔ کتنے لاوے ابلتے ہیں۔ کہاں کہاں دھاتیں بنتی ہیں۔ کوئی شمار ہی نہیں کر سکتا کہ کیا کیا ہو رہا ہے۔ اور پھر شب و روز کا آنا جانا اس میں ان کی آمد و رفت کے اوقات اس کی کیفیات اور موسموں میں اس کے مختلف حالات اور ان سب میں اتنا عجیب تناسب ہے اور اتنا تسلسل ہے کہ اب دن طلوع ہو گا تو چلو ایک جگہ عمل ختم ہو گیا۔ نہیں مسلسل دن بھی چلا ہی آ رہا ہے آ ہی رہا ہے۔ آ ہی رہا ہے۔ آنا اس کا رکتا ہی نہیں۔ اسی طرح رات بھی مسلسل چل رہی ہے اور رات اور دن کا یہ اختلاف زمین پر اس طرح سے رب کریم نے اس کا ایسا نظام بنا دیا ہے کہ کوئی لمحہ ایسا نہیں کہ کسی نہ کسی جگہ دن طلوع نہ ہو رہا ہو یا کسی نہ کسی جگہ رات نہ چھا رہی ہو ایک تسلسل ہے اس عمل میں بھی ایسا کہ اس قادر مطلق کے سوا ایسے چلانے والا کوئی دوسرا نظر نہیں آتا۔ اور پھر اس میں سورج اور چاند کی حدت، طلوع و غروب ان کی روشنی کی رفتار۔ ان کی روشنی کے اثرات۔ چاند کے طلوع و غروب اور اس کے چھوٹا بڑا ہونے کے عجیب و غریب اثرات ایسے ہیں کہ آدمی کی عقل رسا جتنا زیادہ اس پر عبور حاصل کرے۔ اتنا زیادہ عظمت باری میں وہ ڈوبتی چلی جاتی ہے اس کے علاوہ اس کے پلے کچھ نہیں پڑتا۔ پچھلے دنوں مغرب میں ایک تجربہ ہوا سمندر میں جب مدو جزر آتا ہے تو اس کا اللہ تعالیٰ نے نظام چاند کے گھٹنے اور بڑھنے سے ایسا جوڑ دیا ہے کہ جب چاند بڑھتا ہے تو اس میں بھی جوش آ جاتا ہے اور گھٹتا شروع ہوتا ہے تو پانی بھی اترنا شروع ہو جاتا ہے۔ تو غالباً" ڈنمارک کی ایک بندرگاہ میں ان کا ایئرپورٹ بھی بالکل سمندر کے ساتھ ہے۔ اس طرح پتہ چلتا ہے کہ جہاز سمندر میں لینڈ کر جائے گا۔ تب جا کر وہ زمین کو چھوتا ہے۔ بندرگاہ جو تھی اس میں مدوجزر ہوتا تو بے شمار پانی چڑھ دوڑتا تو انہوں نے بہت دور تک سمندر میں ایک دیوار ایسی بنائی۔ جس سے پانی کی جو لہریں ہیں وہ اندر بندرگاہ میں نہ آئیں۔ اندر کا پانی بالکل ساکن رہے۔ اس میں کوئی ہل جل نہ ہو نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ عرصہ بعد اس کی تہہ میں اندر والے پانی کی تہہ میں جتنی **مچھلیاں** تھیں انہوں نے بیمار ہونا اور مرنا شروع کر دیا تو اس پر تحقیق ہوئی تو پتہ یہ چلا کہ یہ جو مدوجزر ہے اور لہروں کی اٹھک بیٹھک ہے یہ نیچے والی تہہ کو پانی کے اوپر لے آتی ہے اور اوپر والے کو نیچے لے جاتی ہے اس طرح اس میں تازہ آکسیجن شامل ہوتی رہتی ہے۔ تو جہاں سے آپ نے یہ عمل روک دیا اور وہ نیچے کا پانی نیچے اور اوپر کا اوپر رہ گیا تو نیچے والے پانی میں آکسیجن کی وہ قوت نہیں رہی کہ وہ ان کی ضرورت پوری کر سکے۔ یعنی ایک بات جسے انسان مصیبت سمجھ رہا تھا یا پریشانی کا سبب سمجھ رہا تھا وہ باالواسطہ انسانی بقا کا سبب بھی تھی۔ انسان کی بے شمار دواؤں کا سبب تھیں تو باالواسطہ وہ طوفان اور وہ مدوجذر سمندر کی لہروں کا وہ سر پٹخنا اور وہ شور جو انسان کے مزاج کو گراں گزر رہا تھا وہ باالواسطہ انسانی زندگی کی ضرورت تھی۔ اب ایسی بے شمار حکمتیں ہیں جو اس تسلسل میں ظہور پذیر ہو رہی ہیں جنہیں ہم جانتے بھی ہیں اور جن پہ اگر نگاہ جائے تو بہت بڑے دلائل سامنے آ

جاتے ہیں۔ عظمت باری کے لیکن اللہ کریم فرماتے ہیں۔ یہ صاحب لب یعنی وہ لوگ جنہیں خاص شعور خاص عقل عطا ہوئی ہے عام زندگی گزارنے کی عقل نہیں۔ عام دولت کمانے یا پیسہ کمانے یا صرف گری سردی محسوس کرنے یا گھر بنانے کی بات نہیں اس سے آگے بڑھ کر کوئی ایک خاص شعور جنہیں عطا ہوا ہے اور وہ جنہیں عطا ہوا ہے اللہ کریم فرماتے ہیں ان لوگوں میں ایک خصوصیت ہوتی ہے " اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِھِمْ" جنہیں وہ لب عطا ہوتا ہے۔ جو صاحب و لب ہوتے ہیں یا اولوا الالباب ہوتے ہیں وہ کوئی حال اور کوئی لمحہ اللہ کی یاد سے غافل نہیں ہونے دیتے۔ خالی نہیں جانے دیتے۔ کھڑے ہوں بیٹھے ہوں، یا لیٹے ہوں اور اللہ کو یاد کر رہے ہوتے ہیں اللہ کا ذکر کر رہے ہوتے ہیں۔ اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِھِمْ۔ یہ دوام ذکر جو ہے یہ انہیں تفکر عطا کر دیتا ہے۔ وَ یَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْض یہ انہیں وہ تفکر عطا کرتا ہے کہ وہ اس کائنات کی باریکیوں پہ نگاہ ڈالتے ہیں ارض و سما میں اللہ کی صنعت کو دیکھتے ہیں اور پھر کہہ اٹھتے ہیں کہ اے اللہ تو پاک ہے اتنا بڑا اتنا صحیح اتنا نازک اور اتنا مضبوط۔ اتنا نازک کہ اس میں ایک ایک ڈوری جو ہے مکڑی کے تانے کی وہ بھی کسی حساب سے گنی چنی اور لگی بندھی ہے وہ بھی زائد اور بیکار نہیں ہے۔ اس کا بھی مقصد ہے اور اس کا بھی ایک اندازہ اور حساب ہے اور اتنا مضبوط کہ صدیاں گزر گئیں اور اس کے نظام کو کوئی ذرا برابر گھٹنے بڑھنے کی یا ٹوٹنے پھوٹنے کی نوبت نہیں آئی۔ اتنا نازک اور اتنا صحیح اور اتنا مستقبل مزاجی سے چل رہا ہے اور فرمایا یہ تیری ہی شان ہے تو ہی ایسا کر سکتا ہے۔ اور یہ اتنا بڑا نظام بغیر کسی نتیجے کے بنانا فضول ہو گا فضول کام تیری شان کے لائق نہیں ہے تو پاک ہے اس کا نتیجہ نکلے گا نہ پہچاننے والوں کو اور ناشکری کرنے والوں کو اور ناشکر گزاروں کو سزا ملے گی۔ تو اے اللہ اپنی رحمت سے اپنے کرم سے ہمیں اس سزا سے محفوظ رکھنا یعنی وہ اس صفت کو دیکھ کر صانع کی عظمت بھی پہچان جاتے ہیں اور تخلیق کے عمل کو دیکھ کر اس پر جو پھل لگنے والا ہے اسے بھی سمجھ جاتے ہیں کہ اس کا نتیجہ کیا ہو گا رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا اتنا بڑا وسیع نظام تو نے فضول پیدا نہیں فرمایا۔ "سُبْحٰنَکَ" تو پاک ہے ایسی باتوں سے کہ تو کوئی ایسے فضول کام کرے فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ اور اے اللہ ہم پر یہ رحم فرمانا ہمیں آگ کے عذاب سے محفوظ رکھنا یعنی جب نتیجہ نکلے تو بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو ہمارے شعور میں نہیں آ سکتیں۔ تیری شان بہت بڑی ہے۔ ہم جتنا بڑا بھی تجھے سمجھیں ہم اپنی عقل کے مطابق تجھے سمجھیں گے ہماری عقل بہت چھوٹی ہے اور تیری شان بہت بڑی ہے۔ ہم جتنا بڑا بھی تجھے تصور کریں تیری شان کے مطابق ہم سوچ ہی نہیں سکتے۔ ہماری سوچ ہمارے ادراک ہمارے شعور سے تیری عظمتیں وراء الوریٰ ہے اس لئے تو ہمیں ہماری قابلیت و استعداد کے مطابق نہیں، اپنی شان اور اپنے کرم کے مطابق ہمارے ساتھ سلوک فرمانا اور ہمیں آگ کے عذاب سے محفوظ کرنا۔ تفسیر مظہری میں حضرت ثناء اللہ پانی پتی مرحوم نے اس آیت کریمہ کے تحت بڑا واضح اور ڈنکے کی چوٹ کے ساتھ لکھا ہے کہ ذکر دوام اور ذکر قلبی اور ذکر الٰہی اور اسے ہر آن کرنا اور سیکھنا یہ ہر مسلمان مرد اور عورت پر واجب ہے۔ اس لئے کہ جنہیں وہ لب عطا ہوتا ہے وہ ذکر دوام اس کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اور نتیجہ اور بیج دو میں سے ایک چیز جسے نصیب ہو جائے وہ دوسری پا لیتا ہے یا پھل مل جائے کسی کو پھل ملتا ہے انبیاء علیہ السلام کو وہبی طور پر جنہیں نبوت عطا ہوتی ہے ہوتے ہی صاحب لب ہیں اور نبی کبھی یاد الٰہی سے غافل نہیں ہوتا۔ نبی جہاں قدم رکھتا ہے وہ زمین ذاکر ہو جاتی ہے جہاں نبی کی نگاہ جاتی ہے وہ ذرات اور فضائیں ذاکر ہو جاتی ہیں۔ نبی جو جوتا استعمال کرتا ہے اس کے اجزاء ذاکر ہو جاتے ہیں۔ جو لباس استعمال فرماتا ہے اس کی تاریں ذاکر ہو جاتی ہیں۔ جس چیز کو نبی کے ساتھ تعلق بنتا چلا جاتا ہے وہ چیزیں ذاکر ہو جاتی ہیں۔ نبی کی اپنی

ذات تو بہت عظیم ہوتی ہے تو اگر کسی کو یہ دوام ذکر نصیب ہو جائے تو اس پر وہ لب کا پھل لگتا ہے کوئی صاحب لب ہو تو ذاکر ہو جاتا ہے یا پھر کسی کو ذکر نصیب ہو جائے۔ یہاں بات کسب کی آگئی تو کسب سے، لب تو نہیں چھینا جائے گا۔ کسب پھر ذکر میں ہو گا تو اگر کوئی ہر حال میں ذکر کو اپنا لے تو اللہ اسے وہ شعور، وہ خاص لب عطا کر دیتا ہے کہ اسے اس کی ہر صنعت میں صانع کی عظمت نظر آنے لگ جاتی ہے۔ یعنی دوام ذکر نصیب ہو جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ حقائق جو نبی کریمؐ نے ارشاد فرمائے ہیں وہ حقائق جو اللہ کی کتاب میں موجود ہیں اور وہ حقائق جو بندے کو سمجھنے چاہئے ہر ایک کا شعور پھر اپنا ہوتا ہے لیکن اپنی حیثیت کے مطابق ہر ذاکر اس میں اللہ کی عظمت کو دیکھنے لگ جاتا ہے سمجھنے لگ جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر اس کی ساری کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ آگ کے عذاب سے نجات پا جائے۔ اللہ کی ناراضگی سے محفوظ رہے۔ حشر کی شرمندگی سے اللہ اسے بچالے آخرت کی رسوائی سے اللہ اس کی حفاظت فرمائے یعنی ذکر اس لئے واجب ہے کہ ذکر قلبی اور ذکر دوام ہی وہ نعمت ہے جو لب عطا کرتی ہے۔ خاص شعور عطا کرتی ہے ایک خاص درجے کا فکر عطا کرتی ہے جو فکر انسانی کی عملی زندگی کو متاثر کر کے اسے اللہ کی ناراضگی سے دور اور اللہ کی رضا مندی کے قریب کرتا چلا جاتا ہے تو اس آیت کریمہ نے تصوف کا جو سارا جو خلاصہ تھا وہ ارشاد فرما دیا۔ یہ میں آج اس لئے آپ کا وقت لے رہا ہوں کہ اس طرح کے موضوع کے بہت سے سوالات میرے پاس جمع ہوتے رہتے ہیں اور اس دفعہ اجتماع میں بھی ہوئے تو میں یہ چاہتا ہوں کہ وہ ایک ہی دفعہ اس سارے کا جواب آ جائے بجائے اس کے کہ میں فرداً فرداً ایک ایک بندے سے عرض کرتا رہوں تو سارے کا سارا تصوف اس میں آگیا کہ تصوف کیا ہے۔ لفظ تصوف ترجمہ ہے تزکیے کا۔ جو قرآن حکیم میں ارشاد ہوا ہے۔ تزکیے کو جب فارسی میں اور اردو میں ڈھالا گیا تو اس کا متبادل تصوف صفائی سے یا صفائے قلب سے۔ جیسے تزکیہ سے بھی پاکیزگی اور صفائی سے تھا۔ عربی میں وہ لفظ تھا تزکیہ اور فارسی میں پہلے تراجم ہوئے تو تصوف اور اس کا ترجمہ صفائے باطن سے یا صفائے قلب سے تصوف ایک عمل کا نام ہے اس کا ترجمہ ہے۔ لیکن تزکیہ اور تصوف کیوں؟ تزکیہ کس لئے **یُزَکِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ** تزکیہ اس لئے نبی علیہ السلام نے نہیں فرمایا کہ سب کو کشف ہو جائے۔ تزکیہ اس لئے نہیں فرمایا کہ سب کے کرامات ظاہر ہوں۔ تزکیہ اس لئے نہیں فرمایا کہ سب کے مشاہدات بڑے ہوں بلکہ تزکیہ اس لئے فرمایا "**یُزَکِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ**" کہ انہیں اللہ کے احکام کی سمجھ آ جائے شعور آ جائے اور ان میں وہ دانائی وہ شعور پیدا ہو کہ وہ اللہ کی اطاعت کر سکیں ارشادات باری کو سمجھ سکیں قبول کر سکیں اور ان کے لئے محنت کرنے اور ان پر کچھ قربان کر کے انہیں حاصل کرنے کی توفیق ہو جائے جب ہمیں کسی چیز کی قدر و قیمت کا اندازہ ہوتا ہے تو ہم اس کے لئے قیمت دیتے ہیں ایک بہت بڑے ہیرے کی قیمت کا اندازہ نہیں ہے تو وہ اس کے لئے کوئی لمحہ دیکھنے کے لئے تیار نہیں۔ وہ کہے گا میں کیا کروں گا اسے دیکھ کر۔ لیکن جب اسے قیمت کا اندازہ ہوتا ہے تو وہ اپنی ساری پونجی بیچ کر اسے حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس تزکیے سے وہ قیمت جو ہے احکام الٰہی کی وہ دل میں آ جاتی ہے اور بندہ اپنا سارا عیش کی قیمت کا اندازہ نہیں ہے تو وہ اس کے لئے کوئی لمحہ دیکھنے کے لئے تیار نہیں وہ کہے گا میں کیا کروں گا اسے دیکھ کر لیکن جب اسے قیمت کا اندازہ ہوتا ہے تو وہ اپنا ساری پونجی بیچ کر اسے حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس تزکیے سے وہ قیمت جو ہے احکام الٰہی کی وہ دل میں آ جاتی ہے اور بندہ اپنا سارا عیش و آرام بیچ کر اسے حاصل کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ اسی عمل کو جب آپ نبی کی وراثت میں نبی کے ورثاء میں منتقل کرتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے **اِنَّمَا الْعُلَمَاءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ اَوْ کَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ** علما حق جو ہوتے ہیں وہ انبیا علیہم الصلوۃ والسلام کے وارث

ہوتے ہیں تو وراثت نبوت کیا ہے وہی عمل جو نبیؐ نے مخلوق کو عطا فرمایا اور وہی کمال بطور وراثت نبیؐ کی برکات کو لے کر نبیؐ کے امتیوں کو اس طرح بانٹی جائیں کہ ان میں پھر وہی سی کیفیات پیدا ہو جائیں اب اس میں یہ بھی ضروری نہیں کہ سب کو کشف نہیں ہوتا اور یہ بھی ضروری نہیں کہ سب کو کشف ہونا چاہئے۔ کشف یا مشاہدے کا ہونا یہ الگ ایک بات ہے اور عموماً مشاہدے اور کشف کے لئے توجہ یکسوئی اور اپنے ذہن کو ارد گرد کی بہت سی الجھنوں سے بچانا ضروری ہوتا ہے آپ نے دیکھا کہ جتنے لوگوں کے مشاہدات میں مکاشفات بیان ہوئے ہیں ان کی زندگیوں کو آپ دیکھیں تو انہوں نے پوری دنیاوی ضروریات سے دنیاوی نظام سے کٹ کر لوگوں سے ملنا جلنا چھوڑ کر کاروبار حیات چھوڑ کر دوستی دشمنی سے الگ ہو کر ایک گوشہ نشینی کی سی حالت اختیار کر لی تو جب ذہن مختلف طرف سے تقسیم ہونے سے بچ گیا تو وہ سارے کا سارا ایک طرف متوجہ ہو گیا اور اسے مشاہدات ہونے لگ گئے۔ اچھا اس میں ایک اور بڑی عجیب بات ہے کہ مشاہدہ حق تو ولی اللہ کی ہی خاصیت ہے۔ برزخ کا نظر آنا۔ آخرت کا نظر آنا بالائے آسمان کی چیزوں کا نظر آنا ملائکہ کا نظر آنا۔ احدیث معیت اقربیت یہ ایمان کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔ لیکن یہاں سے بیٹھ کر سو میل دور دیکھ لینا یہ اگر کوئی کافر بھی ہو اور وہ الگ تھلگ بیٹھ کر اور یکسوئی سے ایک نقطے پہ اپنی توجہ مرتکز کرنا شروع کر دے تو یہ اسے بھی حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ یہاں بلکہ آج کل بھی افریقہ میں ایک قبیلہ ہے اور اس قبیلے کے ہر فرد میں یہ کمال ہوتا ہے وہ ان کی موروثی خصوصیت ہے جس پر آج کل سائنسی دنیا میں بہت بڑی ریسرچ ہو رہی ہے وہ یہ کہ اس قبیلے کے سارے لوگ اپنا کچھ وقت جو ہے وہ ارتکاز توجہ پہ لگاتے ہیں۔ بچپن ہی سے لے کر اور اس میں انہیں اتنا کمال حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ جنگل میں صحرا میں کہیں بھی جائیں تو گھر والوں کے ساتھ ایک وقت مقرر کر جاتے ہیں کہ فلاں وقت میں وہ کروں گا توجہ اور گھر کا کوئی فرد جسے وہ کہہ جاتے ہیں تو اس وقت پہ وہ وہاں بیٹھ کر مراقبہ کرتا ہے گھر میں بیٹھ کر۔ تو آپس میں وہ اپنی بات ایک دوسرے کو منتقل کر لیتے ہیں اسے جو بات پہنچانی ہوتی ہے وہ اپنے دل میں سوچتا ہے وہ اس کے دل میں آ جاتی ہے یہ اپنے دماغ میں جس بات کو لاتا ہے وہ اس کے دماغ میں آ جاتی ہے اس طرح سے وہ آپس میں بات تک کر سکتے ہیں۔ روس نے اپنی اس تقسیم سے پہلے ایسے انسٹی ٹیوشن بنائے تھے جن میں باقاعدہ یہ تربیت دی جا رہی تھی۔ حکومت کے جو جاسوسی ادارے ہوتے ہیں یا دوسرے ملکوں میں جاسوسی کرنے والے افراد ان پہ تجربہ کیا جا رہا تھا کہ اگر انہیں یہ قوت حاصل ہو جائے تو یہ تو نہیں پکڑی جا سکتی ورنہ پہلے فوٹو گرافی ہے یا یہ وائرلیس کرتے ہیں یا کوئی طریقہ ہے کوئی ریڈیو ٹرانسمیٹر گھڑی میں لگاتے ہیں یا بٹن میں لگا ہے چھوٹا یا بڑا بہرحال ان کی جو فریکوانسی ہے وہ سائنسی آلات میں نہیں آتی۔ تو بہرحال اب پتہ نہیں وہ کہاں گئے وہ ادارے یا کیا ہوا روس جب اپنے جوبن پر تھا تو اس میں یہ تحقیقات ہو رہی تھی۔ اب دوسرے لوگوں نے بھی اپنا لی ہو گی اب جہاں تک میں نے سنا ہے میرے پاس تحقیق نہیں ہے لیکن میں نے سنا ہے کہ اب امریکہ بھی اس پر کافی محنت کر رہا ہے۔ اور یہ بڑی عجیب بات اور اس کا ثبوت وہ قبیلہ ابھی تک موجود ہے تو اس کو کشف کہتے ہیں کہ ان میں ایمان نہیں ہے تو دنیا کے حالات کا ایک طرح سے انکشاف تو ان پر بھی ہو گیا۔ جب ایمان ہوتا ہے تو یہ جو انکشاف ہے یہ عالم بالا تک چلا جاتا ہے۔ آسمانوں کے دروازے ایمان کے بغیر نہیں کھلتے کافر کے لئے نہیں کھلتے حقائق کے اخروی حقائق ایسے وہ کافر پہ منکشف نہیں ہوتے لیکن مومن پہ اس طرح ہوتے ہیں جیسے کہ ایک صحابی مسجد نبوی میں داخل ہوئے تو رسول اکرمؐ نے فرمایا ہاں بھئی کیا حال ہے کیسے صبح کی تم نے۔ انہوں نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ ایمان کے ساتھ تو آپ نے پیار سے فرمایا کہ بھئی بڑی بات کی ہے تم نے۔ تمہارے پاس ایمان کا کیا ثبوت ہے کہ ایمان کے ساتھ تم نے صبح کی تو اس نے

کہا رسولؐ اللہ میں اپنے ان قدموں پر کھڑا ہوا حشر کو قائم ہوتا اور جنتیوں کو جنت میں جاتا اور دوزخیوں کو جہنم میں گرتا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا واقعی یہ تیرے ایمان کی دلیل ہے۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بیٹھے مسجد نبوی میں جمعہ کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے اور ایران میں مناوند کے مقام پر جہاد ہو رہا تھا اور ایرانیوں نے کوشش کی کہ مسلمانوں کے لشکر کو دھوکا دے کر پہاڑی کی طرف کچھ اپنے سپاہی بھیج دیئے جائیں اور وہاں سے ان پر حملہ کر دیا جائے۔ تو یہ بیٹھے وہاں خطبہ فرما رہے تھے۔ مسجد نبوی میں اچانک چیخ پڑے یا ساریہ الجبل الجبل۔ ساریہ ساریہ پہاڑی کی طرف دھیان کرو اور لشکر کے ہر مسلمان سپاہی نے یہ آواز سنی کہ پہاڑ کی طرف دھیان کرو۔ سینکڑوں میل دور کہاں مدینہ منورہ اور بندہ اپنے خطبے میں لگا ہوا ہے اور کہاں وہ نہاوند جہاں جہاد ہو رہا ہے۔ اللہ کی مرضی اس نے سارے حجابات ہٹا دیئے نگاہ سے بھی اور سارے حجابات ہٹا دیئے مسلمان مجاہدین کی سماعت سے بھی وہ قادر ہے اور وہی فاروق اعظمؓ اسی مسجد نبوی کے اسی محراب میں شہید کر دیئے گئے اور انہیں پتہ نہیں تھا کہ اس نماز میں کوئی ایسا بھی کھڑا ہے جو خنجر سے میرا پیٹ چاک کر دے گا۔ یہ اللہ کی مرضی۔ جب اس نے وہ حجابات ہٹا دیئے تو نگاہ اتنی دور تک چلی گئی تو جس بات سے پردہ نہیں ہٹایا تو بندہ وہی کھڑا رہا اور جب آپ نماز پڑھانے لگے تو اس نے وار کر کے آپ کو شہید کر دیا تو یہ اس کی اپنی مرضی۔ عمرؓ تو وہی تھا جو شہید ہوا اس وقت بھی وہی ہستی تھی اور جب منبر پر بیٹھا بات کر رہا تھا وہی اللہ کا بندہ تھا۔ اور وہی فاروق اعظمؓ تھا تو یہ اللہ کا ایک اپنا نظام ہے۔ لیکن انسان میں بہت کمزوریاں ہوتی ہیں اور وہ چھوٹے چھوٹے آسرے ڈھونڈتا رہتا ہے۔ سیدھا سیدھا اللہ پر بھروسہ کرنا یہ تو اللہ کے بندوں کا ہی کام ہے باقی سارے بندے چھوٹے چھوٹے آسرے اور چھوٹی چھوٹی کلیاں پکڑتے رہتے ہیں کہ یہاں ہاتھ پڑ جائے وہاں ہاتھ پڑ جائے کہ اس کے لئے یہ ایک سہارا بن جائے۔ بزرگان دین فرماتے ہیں کہ طریقت اور تصوف کے بچوں کو کشف کے کھلونے دیکر بہلایا جاتا ہے کہ یہ اس سے لگے رہیں چھوڑ ہی نہ جائیں۔ یہ کوئی اتنی عزیمت والی بات نہیں ہوتی اب دیکھیں صحابہ کرام کی کثیر تعداد سے مکاشفات اور مشاہدات کی بات کی روایت نہیں ملتی۔ یہ نہیں کہ نہیں ملتی۔ ملتی بے شمار ہیں لیکن اکثریت ان میں ایسی ہے جن کی نہیں ملتی۔ تو کیا وہ صحابی نہ تھے ان میں وہ صحابہ کی عظمت نہ تھی۔ ان کے وہ مقامات جو صحابہ کے تھے نہ تھے۔ وہ تھے۔ یقیناً تھے۔ صحابی وہ یقیناً بلاشبہ تھے اللہ کی بخشش ان پر یقینی ہے اللہ کا احسان ان پر یقینی ہے۔ کشف ایک ضمنی بات ہے جسے کثرت توجہ نصیب ہو گئی یا ایک طرف ارتکاز توجہ ہو گیا اسے ہو گیا۔ ورنہ صحابہ کا حال تو اس طرح بھی ہے کہ ایک صحابی فرماتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ سے آ رہا تھا مجھے تو خیال ہی نہیں تھا تو میں راستے میں گزرا بدر کے قریب سے تو میں نے دیکھا ایک بندہ ہے وہ بھاگتا ہوا زمین سے باہر نکلتا ہے آگ کے شعلے لپک رہے ہیں۔ پیچھے بڑی کوئی ہیبت ناک بلا ہے اس کے ہاتھ میں ہتھوڑا سا ہے اور وہ پیٹتا ہوا پھر گھسیٹ کر اندر لے جاتا ہے وہ پھر چلاتا بھاگتا ہوا باہر آتا ہے۔ پیچھے پیچھے وہی مصیبت لگی ہے۔ بڑی ڈراؤنی سی۔ وہ اسے پھر ہتھوڑے سے مارتی ہے وہ کہتے ہیں میں دیکھتا رہا۔ یہ کیا تماشا ہے۔ میری سمجھ میں تو نہیں آتا۔ مدینہ آ کر انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بات کی انہوں نے فرمایا اللہ کے بندے تجھے یہ نہیں پتہ کہ وہاں ابوجہل دفن ہے اور اسی کا تماشا تو دیکھ رہا تھا۔ تو کلیب بدر کو دیکھ رہا تھا۔ اب وہ خود یہ سمجھ رہا تھا کہ یہ سارا کچھ شاید فزیکل ہو رہا ہے جو میں دیکھ رہا ہوں اتنا اسے واضح انکشاف ہو رہا تھا کہ وہ سمجھ رہا تھا کہ یہ سارا کچھ شاید ہو ہی رہا ہے جو میں دیکھ رہا ہوں یا ہر آدمی دیکھ رہا ہے۔ یہ اس طرح سے ہو رہا ہے حالانکہ اسے یہ مشاہدہ ہو رہا تھا لیکن ان لوگوں کا مقصد مشاہدات نہیں تھا۔ مقصد ان کا قرب الٰہی کو پانا تھا اب اس عمل میں بہت سے لوگوں کو جو مشاہدات نہ ہوئے تو وہ ان

کی دنیوی مصروفیات تھیں جو اطاعت الٰہی کے لئے انہوں نے اختیار کیں اور جو ان کی توجہ کا زیادہ حصہ لے گئیں۔ اور کشف نہ ہوا۔ لیکن ترقی درجات کا سبب وہ بنتی گئیں۔ جہاد کئے تبلیغ کی۔ ایک مخلوق کو اللہ سے روشناس کرایا۔ روئے زمین پر اللہ کی عظمت کو پھیلایا کفر و شرک کو مٹایا ظلم و جور سے دنیا کو صاف کیا تو ان سب کاموں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی اکثریت کو یہ کشف نصیب نہیں ہوا لیکن ترقی درجات میں کمی نہیں آئی بلکہ کشف والوں سے ان کے مقامات شاید زیادہ ہوں گے۔ جنہوں نے زیادہ کام کیا اور یقیناً" زیادہ ہوں گے چونکہ دو آدمی اکٹھے مسلمان ہوئے ایک بندہ چند دن پہلے دنیا سے گزر گیا اور دوسرا کچھ دیر اور زندہ رہنے کے بعد دنیا سے گزرا۔ اصحاب صفہ میں سے تھے دونوں۔ تو کسی نے عرض کی یا رسول اللہ ان میں بہتر منازل دونوں میں سے کس کے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اس میں پوچھنے کی کیا بات ہے یقیناً" جو زیادہ وقت پیچھے رہا اس نے زیادہ برکات حاصل کر لی ہیں۔ جو پہلے چلا گیا اس کی مزدوری تو ختم ہو گئی تو وہاں تک تو دونوں اکٹھے تھے اب جو کئی دن پیچھے رہا اس نے اور بہت سے کام کر لئے اور بہت سا فیض صحبت حاصل کر لیا اور بہت سی توجہ نصیب ہو گئی لہٰذا زیادہ اسی کی ہوں گی۔ حالانکہ پوچھنے والے کا خیال یہ تھا کہ جو پہلے گزر گیا ہے وہ زیادہ اس سے بہتر آدمی تھا شاید اس کے منازل بلند ہوں گے تو گویا ان کا جودہ عمل تھا حصول قرب الٰہی کا احیائے دین کا اور مصروفیت اسلام کے احیاء میں وہ کشف میں تو آڑے آئی۔ قرب الٰہی میں ترقی کا سبب بنتی گئی تو حاصل کلام یہ ہوا کہ ہو سکتا ہے کہ دنیاوی مصروفیات کی وجہ سے مشاہدات نہ ہوں لیکن اگر دنیاوی مصروفیات رو بہ اصلاح ہو گئی ہیں اور بندہ نیکی کر رہا ہے، نیکی کی طرف بڑھ رہا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس پر اللہ کا کرم ہے اللہ کا احسان ہے اور اسے قرب الٰہی مل رہا ہے اب اگر کسی کو محض اس لئے عملی زندگی سے الگ کر دیں کہ اسے کشف ہونا چاہئے تو وہ شاید چلا دو چھ مہینے لگا کر کشف حاصل کرے اور باقی عمر اس کشف کو ضائع ہونے سے بچانے کے لئے کسی کام میں حصہ نہ لے کہیں پبلک میں نہ جائے دوستوں سے نہ ملے۔ کاروبار نہ کرے تو وہ ساری زندگی اس کشف کو تو سنبھالے رکھے گا لیکن جب عملی دنیا سے بیگانہ ہو گا تو ترقی درجات نصیب نہیں ہو گی۔ چونکہ ترقی درجات کا مدار عملی زندگی ہے، کشف نہیں ہے۔ کہ عملی زندگی میں وہ کفر کا یا طاغوت کا یا گناہ کا کتنا مقابلہ کرتا ہے۔ نیکی کتنی پھیلاتا ہے اللہ کے ساتھ ایمان کہاں کہاں بانٹتا ہے۔ نفاذ اسلام اور احیائے اسلام کے لئے کیا قربانی کرتا ہے اور خلاف اسلام جو کچھ ہو رہا ہے اسے روکنے کے لئے اس کا کتنا حصہ ہے۔ ترقی درجات تو اس پر ہے۔ عمل پر ہے اور ذکر الٰہی جو ہے یہ بنیاد فراہم کرتا ہے عمل کو وہ مضبوط بنیاد کہ بندے کو عمل کی قیمت کا احساس ہو جاتا ہے۔ عظمت الٰہی اور رضائے باری کا احساس ہو جاتا ہے۔ یہ بڑی سادہ سی بات ہے اور یہ اللہ کا احسان ہے کہ جو کچھ اللہ نے کام کرنے کی توفیق ہمیں دی ہے اس سلسلے کو یہ تاریخ تصوف میں ایک انفرادی حیثیت کا کام ہے۔ انسانی مزاج ایسا ہے کہ جب وہ لوگ اٹھ جاتے ہیں جب دنیا سے چلے جاتے ہیں تو پھر ان کی تصانیف پر سیمینار منعقد ہوتے ہیں۔ ان کی ذات پر تھیسز لکھے جاتے ہیں۔ پھر بڑا شور شرابا ہوتا ہے غالب ایک گھونٹ شراب کو ترستا مر گیا۔ اب اس کے نام پہ غالب اکیڈمی بن گئی کروڑوں روپے لگا کر۔ اس غریب کو تو کسی نے پانی کا پیالہ بھی نہ دیا۔ یہ اس طرح کا ایک نظام ہے ایک نہیں یہ سب کے ساتھ ایسا ہوتا چلا آ رہا ہے کہ جب وہ لوگ اٹھ جاتے ہیں تو پھر بڑے ان کے دن منائے جاتے ہیں اور بڑی باتیں ہوتی ہیں تو تاریخ میں جب ایسا وقت آیا تو اس دور کے انسان یقیناً" حیران ہوں گے کہ یہ کیا لوگ تھے اور یہ کیا تماشا کر دیا انہوں نے کہ ہر آنے والے کا دل منور ہو جائے حالانکہ چودہ سو سال میں خیر القرون کے بعد پوری تاریخ تصوف میں اگر ایک صوفی کے پاس پانچ لاکھ بندے آئے ہیں تو اس میں سے بمشکل پانچ بندے اس نے ساری زندگی میں چنے ہوں گے۔ جنہیں اس

نے ذکر قلبی بتایا ہو گا وہ بھی بمشکل کسی کو لطائف بتا دیئے کوئی ایک آدھ خوش نصیب فنا بقا تک چلا گیا ورنہ باقی سب کو کچھ تسبیحات بتا دیں۔ کچھ وظائف بتا دیئے۔ دعا کر دی اور رخصت کر دیا یہی حال رہا۔ اب بڑے بڑے ناموں کو دیکھئے اللہ نے ان پر بہت بڑی رحمتیں کیں اور بہت بڑے عظیم نام ہیں اور واقعی اللہ کے مقرب بندے اور بڑے صاحب حال صوفی جو ہیں ان کے گرد دیکھیں تو کسی کے پاس دو کسی کے ساتھ تین کسی کے ساتھ چار ایسے بندے ہیں جنہیں انہوں نے ذکر اذکار یا کیفیات قلبی یا وہ شعور جو خاص ہے یا لب وہ عطا فرمایا باقیوں کے لئے دعا ہی کی سب نے۔ تاریخ تصوف میں پہلی دفعہ حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے یہ بنیاد رکھی کہ آپ نے فرمایا ہم کسی سے ظاہری بیعت نہیں لیں گے ہی نہیں ہمارے ہاں معیار یہ ہے کہ جو بھی آئے اسے کم از کم فنا فی الرسول تک پہنچا کر روحانی بیعت اس کی محمد رسول اللہ سے کروائی جائے۔ اس لئے کہ ظاہری بیعت لینے والے بے شمار ادارے ہیں جو اصلاحی کام کر رہے ہیں تو یہ کام انہی کو کرنے دو اور جو وہیں تک رہنا چاہتا ہے اسے وہاں جانا چاہئے ہمارے پاس وہ لوگ آئیں جو اتنا عزم رکھتے ہیں۔ ہمت رکھتے ہیں ہم ان کے ساتھ یہ محنت کریں گے۔ یہ غالباً ستر کے آخر میں یا اسی کے شروع میں اس وجہ سے ظاہری بیعت کی اجازت دی گئی کہ اب ظاہری بیعت لینے والے بھی سارے نیک اور صالح نہیں رہے اور لوگ سادگی سے دنیا داروں کے پاس پھنس جاتے ہیں اور اپنی ظاہری بیعت کو نبھانے کے لئے وہیں ساری عمر دھکے کھاتے رہتے ہیں اور وہ لوگ انہیں دین کے نام پر گمراہ کر دیتے ہیں۔ تو اس لئے ظاہری بیعت بھی لی جائے تاکہ جو لوگ وہاں تک نہیں پہنچ سکتے کہ وہ باطنی اور روحانی بیعت انہیں نصیب ہو تو کم از کم ظاہری طور پر منسلک ہو کر ساتھ چمٹے تو رہیں۔ یہ وجہ بنی جس کی وجہ سے خصوصاً اجازت مشائخ کرام نے دی اور ہم لوگوں نے بھی آدھی عمر گزارنے کے بعد پھر حضرت جی سے ظاہری بیعت کی کیونکہ شروع ہی بعد میں ہوئی اور اس کا یہ سبب بنا تو اس سلسلہ عالیہ کی بنیاد ہی اس بات پر ہے کہ ہر آنے والے کے ساتھ اتنی محنت کی جائے کہ اسے فنا فی الرسول میں اس کی روح روح اقدس رسولؐ اللہ کی بارگاہ میں حضورؐ کے سامنے حاضر کر کے حضور کے دست اقدس سے پر اس کی روح سے بیعت کروائی جائے۔ اس بیعت کا فائدہ یہ ہو گا کہ ہمارا تعلق نبی کریمؐ سے روایات کا ہے۔ سماعت کا ہے۔ ہم نے بزرگوں سے قرآن سنا۔ بزرگوں سے کلمہ سنا۔ بزرگوں سے آپؐ کے احوال سنے اور اس پر ہمارا ایمان یقین اور ہمارا رشتہ ہے لیکن اگر ہماری روح کو آپؐ ان کی بارگاہ کی حاضری اور حضوری نصیب ہو جائے تو اس سماعت کے رشتے میں اور اس قرب کے رشتے میں کروڑوں گنا طاقت کا فرق پیدا ہو جائے گا اور جو اطاعت ہم اس طرح سے کر رہے ہیں اس میں کروڑوں گنا ایثار کی زیادتی آ جائے گی اور ہمارے لئے اس پر ہمارا جان تک دینا آسان ہو جائے گا۔ اب اس کے دو پہلو تھے یا تو ہم ہر آنے والے کو دنیاوی کام سے روک دیتے گوشہ نشین کر دیتے کم غذا دیتے کم سلاتے پھر اسے مشاہدہ بھی ہوتا کشف بھی ہوتا۔ اس کی بیعت بھی ہو جاتی۔ تو یہ جو لوگ دنیا سے کاٹ دیتے ہیں ان کا معاشرے میں اور ماحول میں اور احیائے دین میں کیا فائدہ ہوتا۔ کچھ بھی نہیں تو صرف یہ تھا کہ ہم کچھ لوگ صاحب کشف پیدا کر جاتے۔ اس کے علاوہ کوئی عملی فائدہ احیائے دین کے باب میں نہ ہوتا۔ چنانچہ مشائخ عظام نے اور ہمارے اساتذہ نے اور حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے دوسرا راستہ منتخب فرمایا کہ ہر آنے والے کو تلقین کی جائے کہ گر پہلے اور ایسے لوگ آئے ہیں ہمارے پاس جو پہلے تارک الدنیا تھا جب وہ سلسلے میں داخل ہوئے تو حضرتؒ نے انہیں کام پر لگا دیا کہ جاؤ اپنی مزدوری کرو کام کرو مزدوری کر کے پیسا کماؤ۔ حلال رزق پیدا کرو۔ اور عملی زندگی میں جو بھی اللہ نے استعداد دی ہے اتنی شراکت اپنی قائم رکھو۔ بلکہ حضرت جیؒ کا طریقہ بڑا عجیب تھا ایک صاحب آ گئے وہ گدی نشین تھے ایک خانقاہ کے اور جو قبر پر چڑھاوے چڑھائے جاتے تھے

وہی ذریعہ آمدن تھا۔ اس زمانہ میں ان کے پاس موٹر ہوتی تھی۔ جب ہم لوگوں کے پاس کرایہ مشکل سے ہوتا تھا۔ اور مشکل دور تھا تو اس وقت بھی ان کے پاس کار ہوتی تھی۔ ہمیں بھی کبھی کبھی سواری کرایا کرتے تھے۔ تو اس کار اس گاڑی ان کے سارے نظام کی آمدن جو تھی وہ پیسا تھا جو ان کے بزرگ کی قبر پر لوگ چڑھاوا چڑھاتے تھے تو ان کے آنے سے ہمیں خوشی بھی ہوئی اور دل میں ہمیں وہ خدشہ بھی تھا کہ حضرتؒ کا مزاج بھی بڑا سخت ہے۔ یہ بندہ بھی قبر کی کمائی کھانے والا ہے۔ دھماکا ہو گا اور بھگا دیں گے اسے۔ حضرت بڑے سخت مزاج ہیں۔ تو وہ اسے برداشت نہیں کریں گے۔ اور یہ بھی خوشی تھی کہ ایک بندہ اچھا بندہ ہے اس کی بھی اصلاح ہو جائے تو اگر اس کے آگے ہزاروں لوگ ملنے والے ہیں تو اگر یہ ایک بندہ سدھر گیا تو وہ جو چڑھاوے چڑھانے والے ہیں وہ بھی شاید نیک ہو جائیں تو وہ کئی دن ہمارے ساتھ رہا۔ حضرت نے بڑی شفقت سے اسے ساتھ رکھا۔ ہمارے حضرتؒ دورے پر تھے۔ ہم بھی ساتھ پھرتے ہرے۔ وہ بھی پھرتا رہا یہاں تک کہ اسے احدیت معیت اور اقربیت تک مشاہدات بھی ہو گئے اس کے ساتھ مراقبات ثلاثہ بھی ہو گئے وہ بتانے بھی لگا فلاں فلاں اقربیت تک پہنچتا ہے۔ فلاں فلاں کو میں معیت میں دیکھ رہا ہوں۔ فلاں کو نہیں دیکھ رہا۔ یہ سارا کر کرا کے مراقبات ثلاثہ کروا کر حضرت نے رخصت کر دیا۔ بڑے آرام سے اسے بٹھا کر سمجھایا کہ دیکھو بیٹا میں نے تمہارے ساتھ یہ محنت اس لئے کی ہے کہ تمہیں یہ سمجھ آ جائے کہ یہ شے کتنی قیمتی ہے واقعی یہ یہاں ہے بھی سہی۔ محض قصہ کہانی نہیں ہے۔ اس کے بعد تمہارے لئے دو راستے ہیں۔ قبر پر جو نذرانہ چڑھایا جاتا ہے یہ لینا کسی کے لئے جائز نہیں وہ چڑھاوا چڑھانے والے کی ملکیت سے خارج ہی نہیں ہوتا کیونکہ قبر میں مالک بننے کی استعداد نہیں ہوتی تو ملکیت اسی کی رہتی ہے جو پچھلا چھوڑ گیا صاحب قبر جو خود ہے جب دنیا سے جاتا ہے تو اس کا اپنا مال اپنا نہیں رہتا وارثوں کا ہو جاتا ہے۔ اس کی بیوی جو ہے وہ اس کے نکاح میں نہیں رہتی۔ عدت کے بعد وہ فارغ ہو جاتی ہے اس نے اپنی جو جائیداد بنائی وہ اس کی اپنی نہیں رہتی۔ ورثاء میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ اوپر سے جو کچھ اس کی قبر پر رکھ جاتا ہے وہ اس کا مالک کیسے بنتا ہے بھئی وہ تو شرعاً مالک ہی نہیں اب جس نے اٹھا لیا اس نے کسی پچھلے کا اٹھا کر کھایا اس میں جو شرک بدعت ہے یا وہ اس کو چھوڑ بھی دے فقہی جو لین دین ہے وہ بھی حرام ہے کہ دینے والا تو قبر والے کو دے گیا۔ جو مالک ہی نہیں بن سکتا۔ لینے والا کوئی اور ہے اس نے اٹھا کر کھا لیا اس کے لئے وہ تو ویسے ہی حرام ہے تو آپ نے فرمایا بھئی دیکھو اللہ کا نور اور حرام چیزیں ایک شکم میں دو چیزیں اکٹھی نہیں ہوں گی اور یہ تم پر ہے کہ تم یہ نور مبین اپنے دل میں رکھنا چاہتے ہو یا قبر کی آمدن سے پیٹ بھرنا چاہتے ہو اگر تمہیں اس راستے پر چلنا ہے تو مزدوری کرنی ہو گی تجارت کر لو کاروبار کر لو ملازمت کر لو رزق حلال پیدا کرو اور رہو ہمارے ساتھ اور اگر قبر کی آمدنی کھانی ہے تو سلام علیکم۔ تمہارا اللہ مالک۔ تمہارا ہمارا ساتھ یہیں تک تھا۔ اس سے زیادہ کی نہ تم میں اہلیت ہے نہ یہ تمہارے پاس رہے گا اور نہ تم اس سے آگے چل سکو گے۔ تو بہر حال جو وہ اس کا نتیجہ ہوا میں عرض یہ کر رہا تھا کہ حضرتؒ نے محنت اس کے ساتھ بھی کی لیکن آگے۔ اپنے ڈھب پر لانے کے لئے اگر تم یہ راستہ اپنانا چاہو تو اللہ کا احسان ہے نہیں تو رہ جاؤ گے۔ تو ہمارے طریقے میں یہ ہے کہ ہم کوشش یہ کرتے ہیں کہ ہر آنے والے کو وہ کیفیات نصیب ہوں۔ اس کے لطائف روشن ہوں اسے احدیث معیت اقربیت تک رسائی نصیب ہو اسے سیر کعبہ اور فنا فی الرسول نصیب ہو اس کی روح بارگاہ اقدس میں حاضر ہو اسے نبی کریمؐ کے دست اقدس پر بوسہ دینے کی سعادت نصیب ہو اور وہ رشتہ جو ہے اس کا اپنے نبی کے ساتھ اتنا مضبوط ہو کہ اس پر وہ جان بھی دے سکے اب اس میں ہم یہ لحاظ نہیں کرتے کہ اسے کشف ہوا ہے یا نہیں ہم اپنی ذمہ داری پہ رہتے ہیں۔ کہ اس کی روح میں وہ استعداد

آئی ہے یا نہیں۔ بعض دوستوں پر اللہ کا احسان ہے۔ انہیں دنیاوی کاروبار کرنے کے باوجود بھی کشف ہوتا ہے۔ اور ایسے بھی بہت ہیں۔ ہزاروں ہیں۔ لیکن ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں کشف اور مشاہدہ نہیں ہوتا۔ لیکن اللہ اس کی روح میں قوت دے اور اسے فنا فی الرسول تک جانے کی سعادت نصیب ہو جائے۔ تو ہم کشف کی پرواہ نہیں کرتے اپنی ذمہ داری پر اس کی بیعت کرا دیتے ہیں۔ اس لئے کہ بیعت ہو جانے سے جو قوت عمل میں یا ایثار میں یا قربانی کے جذبے میں جو قوت آنی ہے وہ تو آ جاتی ہے اسے نظر آئے نہ آئے یا اس کی زندگی کا وہ اصلاحی پہلو کہ عملی زندگی میں اس کی اصلاح ہو جائے وہ تو ہو جاتا ہے اسے نظر آئے یا نہ آئے وہ مقصد ہے اس کا نظر آنا مقصد نہیں اب اس سوال کا جواب تو ہو گیا جو اکثر لوگ پوچھتے ہیں کہ فلاں کی آپ نے بیعت کرائی اسے نظر آیا یا نہ آیا۔ بھئی بیعت کرنے والا جانے اور بیعت کرانے والا جانے۔ میرے خیال میں تو تیسرے بندے کو یہ حق ہی حاصل نہیں ہے کہ وہ اس کی تفتیش میں کیوں لگا ہوا ہے اسے کیا حق حاصل ہے کہ وہ پوچھتا پھرتا ہے وہ اپنی اتنی محنت اپنے آپ پر کرے اپنے راستے پر اپنا مجاہدہ کرے وہ کیوں اس کام پر لگا ہوا ہے دوسری بات یہ ہے کہ لوگوں کو یہ بڑا ہوتا ہے کہ فلاں کو آپ نے بیعت بھی کرا دیا لیکن اس کا فلاں عمل جو ہے وہ بہتر نہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم فتویٰ دے دیتے ہیں۔ دوسرے کے خلاف ہمیں اسی کے حالات کا علم نہیں ہوتا۔ تصوف میں ایک پورا سلسلہ ہے ملامتیہ۔ آج کل تو اس کے لوگ نہیں ملتے۔ ایک زمانے میں بڑے جوبن پر بھی تھا ملامتیہ سلسلے کی بنیاد اس بات پر تھی کہ ایسے کام کئے جائیں کہ لوگ ہم سے دور رہیں۔ اور ہمیں ملامت کرتے رہیں۔ اس لئے انہیں ملامتیہ کہتے ہیں لیکن وہ غلط کام نہیں کرتے تھے کام جائز ہوتا تھا۔ لوگ اس پر ملامت کرتے تھے مثلاً" رمضان میں مسافر ہیں تو اب روزہ افطار کرنے کی رخصت ہے کہ اگر کوئی نہیں رکھ سکتا تو افطار کرے اور قضا کرے تو انہیں چونکہ شرعاً" تو قضا کرنے کی اجازت ہوتی تھی لیکن انہوں نے لوگوں کے سامنے تھوڑا سا پانی پی لیا یا کھانا کھا لیا اب لوگوں نے یہ نہیں سوچا کہ مسافر ہے یا وطن سے دور ہے اس کے لئے شرعی رخصت ہے لوگوں نے اسے بھلا برا کہنا شروع کر دیا تو وہ کام وہ کرتے تھے جن کے کرنے کا کم از کم جواز ضرور ہوتا تھا اور شرعاً" اس پر اعتراض نہیں ہوتا تھا لیکن دیکھنے والے کو وہ عیب لگتا تھا اور لوگ ان پر لعن طعن شروع کر دیتے تھے۔ اس لئے انہیں سلسلہ ہی ملامتیہ کہتے ہیں۔ ملامت اپنے اوپر کرواتے رہتے ہیں۔ یہ ان کا طریقہ تھا لوگوں سے بچ کر رہنے کا تو پہلی بات تو یہ ہے کہ فتویٰ دینے والے حضرات کو اسباب کا پتہ نہیں ہوتا ظاہری حالت کو دیکھ کر فتویٰ دے دیتے ہیں کہ اس نے یہ کر دیا وہ شاید جو یہ آپ کو عیب نظر آ رہا ہے شاید اس کے پاس اس کا کوئی شرعی جواز ہو دوسری بات یہ ہوتی ہے کہ ایک بیمار کو آپ ایک بہت طاقتور انجکشن دیتے ہیں تو اس سے بھی بیماری اس کی ایک چوتھائی حصہ جاتی ہے ساری نہیں جاتی تو اندازہ کریں کہ اگر وہ انجکشن بھی اسے نہ ملتا تو مر چکا ہوتا۔ یہاں بھی یہی حال ہے کہ کسی کو مراقبات بھی کرا دیئے جاتے ہیں تو اس کی سو فی صد اصلاح نہیں ہوتی تو اس کا مطلب ہے کہ اس کا مرض اتنا شدید ہے کہ اگر اسے یہ ذکر نصیب نہ ہوتا تو اب تک ایمان سے بھی خارج ہو چکا ہوتا۔ معترض یہ کیوں نہیں سوچتا کہ جسے اتنے مراقبات یا اتنی محنت کے باوجود بھی اس میں یہ کمزوریاں باقی ہیں تو اگر اسے ذکر نصیب ہی نہ ہوتا تو یہ تو اب تک ملنگ بن چکا ہوتا اور ٹلیاں گھنگھرو باندھے پھرتا ہوتا۔ کیا آپ کے معاشرے میں یہ روز مرہ کی بات نہیں ہے کہ بندے مسلمان گھروں میں پیدا ہوتے ہیں اور باطل عقائد میں گرفتار ہو جاتے ہیں یہ روزانہ جو نئے نئے مذہب بن رہے ہی یہ کوئی آسمان سے تو نہیں اتر رہے انہی لوگوں کا بگڑا ہوا حال ہے گمراہی ہے ایمان ضائع ہو جاتا ہے اور ایک نیا فرقہ وقوع پذیر ہو جاتا ہے۔ جس کا نہ سر ہوتا ہے نہ پیر ہوتا ہے تو کیا یہ مناسب نہیں کہ کسی

کو کم از کم اگر ہم پوری صحت نہیں دے سکتے تو اس مرنے سے تو بچا لیا جائے تو پوچھنے والوں کو میرے خیال میں ان سب باتوں کا اگر ہم لحاظ رکھیں تو کچھ تجسّس کی بات نظر نہیں آتی۔ تیسری ایک بات میں آپ کو عرض کرتا چلوں کہ ہم تین چار پانچ ساتھی ہوتے تھے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے پاس اور ہمارا طریقہ یہ تھا کہ ہم جب حاضر ہوتے وہاں تو حضرت گھر پر ہوتے تو کوئی اطلاع اندر نہیں دیا کرتا تھا بلکہ نماز کا وقت ہوتا تو اذان کر دی۔ حضرت نماز پڑھانے آئے تو آپ نے دیکھ لیا السلام علیکم۔ وعلیکم السلام صرف کھانا بھجوا دیتے تھے حضرت۔ مغرب سے عشا تک ذکر کروا دیتے تھے اور سحری کا ذکر پھر بنفس نفیس باہر آ کر کروا دیتے تھے۔ ہمیں اگر کوئی بات کرنا ہوتی تو ہم آپس میں وقت بانٹا کرتے تھے۔ اور حضرت اشراق کے بعد رفع حاجت کے لئے باہر تشریف لے جاتے وہ زمانہ یہ لیٹرینوں کا نہیں تھا۔ اب تو گھر گھر میں ہیں تو اس وقت ساری دنیا رفع حاجت کے لئے باہر جاتی تھی۔ وہ کوئی سو گز فاصلہ چونکہ گاؤں کے باہر حضرت کا گھر تھا تو سو گز ڈیڑھ سو گز دور جا کر چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں تھیں۔ وہاں تک حضرت تشریف لے جاتے تو ہم میں سے جسے کوئی بات کرنا ہوتی تو اسے ہم آپس میں بانٹ لیتے تو نے بات کرنی ہے تو حضرت جی کے ساتھ چلا جا۔ اور وہ جاتے ہوئے بات کر لی یا واپس آتے ہوئے۔ واپس آپ مسجد آتے ہاتھ وغیرہ دھو کر پھر اندر تشریف لے جاتے تو حضرت اس کا انتظار نہیں کرتے تھے کہ اس کی بات پوری ہو گئی یا نہیں ہوئی۔ آتے جاتے اس لمحے میں دو چار جملے کہنے کی فرصت مل گئی اور اکثر حضرت سن تو لیتے تھے جواب نہیں دیا کرتے تھے بات سنتے جاتے تھے اور پھر چلے جاتے تھے جواب نہیں دیا کرتے تھے جب جماعت زیادہ ہوئی اور حضرت گھر سے باہر ہوتے تو ساتھیوں کے ساتھ بیٹھ جاتے اور باتیں کرتے لیکن جو لوگ اس وقت بیٹھتے تھے حضرت کی مجلس میں انہیں یاد ہو گا کہ وہ ساری باتیں تصوف پہ ہوتیں۔ دین پہ ہوتیں۔ یا فقہی مسائل پہ ہوتیں۔ پوری وہ مجلس جو حضرت اختیار فرماتے تھے وہ دینی ہوتی تھی۔ تو اگر کوئی دنیاوی بات آ جاتی تو یا جھڑک دیتے تھے یا مجلس برخواست فرما دیتے تھے۔ جو وقت اب جا رہا ہے میں کوئی دو مہینے بعد واپس گھر آیا اور میرے پاس ڈاک کا انبار لگا ہوا تھا۔ میں نے ایک ایک خط کو پڑھا۔ ایک خط میں دین کی بات نہیں تھی ایک خط میں۔ مجھے حسرت رہی کہ کاش کسی لفافے میں کوئی اللہ کی کوئی دین کی بات نکل آئے اس پورے ڈاک کے انبار میں ایک لفافے میں بھی دین کی بات نہیں تھی۔ بیوی ناراض ہے بچہ روٹھ گیا ہے۔ بیٹی بیمار ہے۔ فلاں کو جن پکڑ گیا ہے۔ پڑوسیوں کی دادی کو جن نے پکڑ لیا ہے۔ مجھے کیا مصیبت ہے پڑوسی تمہارا آگے ان کی دادی ہے دادی کا بھانجا ہے پتہ نہیں کیا اور اس کا یہ ہو کیا سوائے اس کے کسی کو جن نے پکڑ لیا کسی کے کاروبار میں کمی آ گئی کسی کی صحت خراب ہو گئی اس کے علاوہ مجھے حسرت ہی رہی کہ یا خدایا میں یہ اتنی جھک جھک بک بک کر رہا ہوں سارا کچھ یہی کچھ بنا رہا ہوں میری محنت کا یہی اثر ہے کہ کسی ایک کو بھی دین کی بات کا شعور نہیں اور فکر ہی نہیں۔ اور اگر آپ کو اعتبار نہ آئے تو جو اب ڈاک آتی ہے دیکھ لیں۔ بے شمار خط پھاڑ کے بھی پھینک دیتا ہوں۔ گزشتہ رات یہ ہوا آپ کہتے ہیں میں لوگوں سے ملتا نہیں ہو کیا ملوں ۔ کس سے ملوں۔ رات جب میں سونے کے لئے اپنے کمرے میں جا رہا تھا گیارہ بجے تو جو خواتین کی منتظم ہیں انہوں نے مجھے کہا حضرت کچھ خواتین نے صبح جانا ہے۔ ہماری ظاہری بیعت بھی رہ گئی انہوں نے ضرور بیعت ہونا ہے۔ صبح ہمیں پتہ نہیں کب میاں لوگ تیار ہو جائیں اور پتہ نہیں صبح فرصت ملے بیعت کی یا نہیں۔ میں نے کہا رات کے گیارہ بج رہے ہیں۔ میں اب تھوڑی دیر سونا چاہتا ہوں۔ چلو بھئی کر لو بیعت۔ اب چار بیعت کرنے والی آئیں۔ دو ساتھ ان کی بیماریاں گننے والی آ گئیں۔ ان چاروں کی جنہوں نے بیعت کرنی تھی اس کو یہ بیماری اس کو یہ بیماری اس کو یہ ہوا۔ میں نے کہا بی بی' انہیں کسی ہسپتال لے جاؤ۔ رات گیارہ بجے بارہ بجے میرے

ساتھ بیماریاں گننے کی بجائے اگر میری میڈیکل رپورٹ دیکھو تو تمہارا سر چکرا جائے۔ تو میں جو خود بیماریوں کا مجموعہ ہوں تمہاری بیماریوں کو کاٹھ ماروں۔ میرا کام ہے تمہیں دین بتانا اللہ کا نام بتانا۔ اللہ کے ذکر کا طریقہ سکھانا اگر وہ کوئی بات ہے تو میرے ساتھ کرو۔ اگر کوئی میڈیکل پرابلم ہے تو ڈاکٹر باہر ہے۔ ہسپتال ہے یا کہیں اور تشریف لے جاؤ۔ یہ کس برتے پہ ملا جائے مجھے بتاؤ کس لئے لوگوں کے پاس بیٹھا جائے۔

تین افراد نے گولی مار کر ہلاک کر دیا

○ سرائے عالمگیر کے نواحی گاؤں موضع بھگو کے پرائمری سکول ٹیچر محمد ریاض ولد منظور حسین سکنہ دندی ارائیاں جو سلسلہ کے ساتھی بھی تھے۔ بچوں کو پڑھانے کے دوران تین افراد نے فائرنگ کی۔ فائرنگ سے وہ موقع پر ہلاک ہو گئے۔ یہ واقعہ ۲۵ فروری کا ہے۔ تمام ساتھیوں سے مرحوم کے لئے دعائے مغفرت کی دوخواست کی جاتی ہے۔

○ صوبیدار مطلوب حسین (کھاریاں) کے والد ۱۲ رمضان المبارک کو وفات پا گئے ہیں ساتھیوں سے دعا کی درخواست ہے۔

حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ

کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر ویڈیو کیسٹ تیار ہو چکی ہے

بکنگ کروالیجئے۔ تاکہ آپ کی کاپی آپ کو بروقت مل سکے

فی کیسٹ -/۲۰۰ روپے

بکنگ اور منگوانے کا پتہ

کرنل (ریٹائرڈ) چوہدری محمد بشیر ہاؤس نمبر ۲۲۰، سٹریٹ نمبر ۱۲ چکلالہ سکیم نمبر ۱۲۔ راولپنڈی

حضرت ابوالقاسم جنیدؒ بغدادی

تجمّل حسین صفارین

ارباب طریقت کا قول ہے کہ دنیا میں صرف تین اہل اللہ ہوئے ہیں شام میں عبد اللہ جلا۔ نیشاپور میں عثمانؒ اور بغداد میں جنیدؒ بغدادی

بغداد کے ایک خوشحال گھرانے میں پیدا ہوئے۔ جو بغرض تجارت ایرانی صوبہ جیال کے ایک خوبصورت مگر سرد ترین شہر نہاوند سے ہجرت کرکے بغداد آن آباد ہوا تھا۔ اپنی محنت اور دیانتداری سے جہاں کاروبار وسیع کر لیا۔ وہاں اس خاندان نے کاروبار میں ایمانداری کی وجہ سے پورے بغداد میں ایک خاص شہرت بھی حاصل کر لی تھی۔ حضرت جنیدؒ بغدادی کے والد قواریری (شیشہ گر) کہلاتے تھے۔ اور بغداد کے امراء میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ نیک پرہیز گار انسان تھے۔ تجارت میں سنت رسولؐ کا خیال رکھتے ہوئے دیانت داری کی مثالیں قائم کیں۔

ایک دن اپنی بیوی کے بھائی کو جو شیخ سقطیؒ کے نام سے بغداد میں مشہور بزرگ کامل کے طور پر مشہور تھے۔ اپنے مال کی زکوۃ دینے گئے۔ شیخ سقطیؒ پیشے کے اعتبار سے مسالہ فروش تھے۔ اسی لئے ان کے نام کے ساتھ سقطی لگا ہوا ہے۔ سقطی کے معنی ہیں مسالہ فروش۔ لیکن تجارت کی نسبت زیادہ وقت اور توجہ اپنے خالق حقیقی کی عبادت میں صرف کرتے۔ سو معاشی حالات اکثر خراب رہتے۔ خاندان بھر میں صرف وہی تھے جو تجارت سے منہ موڑے اللہ سے لو لگائے ہوئے تھے۔ چنانچہ انہی وجوہات کے پیش نظر جنید بغدادی کے والد جب اپنے مال پر عائد زکوۃ لے کر ان کے پاس گئے تو انہوں نے قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ شیخ سقطی کا انکار ان کے دل پر تازیانہ بن کے لگا۔ دل غم سے بوجھل ہو گیا۔ سوچ میں پڑھ گئے کہ کیا واقعی انہوں نے عمر بھر ایمان داری سے جو تجارت کی اور جائز منافع کمایا۔ وہ اس حد تک نامراد ہے کہ اللہ کے نیک بندے اس کو قبول کرنے سے ہچکچاتے ہیں۔ بلکہ صاف انکار کر دیتے ہیں۔ سوچتے سوچتے دل بھر آیا۔ اور آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ جنیدؒ بغدادی ان دنوں چھ سال کے معصوم سے بچے تھے۔ باپ سے بے پناہ پیار تھے۔ اب جو والد کو یوں آنسو بہاتے دیکھا تو ضبط نہ کرسکے دوڑ کر والد محترم کے گلے جا لگے اور معصومیت سے پوچھنے لگے۔ بابا جان کیا ہوا؟ کیوں آنسو بہا رہے ہیں آپ؟ باپ نے بیٹے کو دیکھ کر چہرے پر پھیکی مسکراہٹ سجائی اور آنکھوں سے آنسو پونچھتے ہوئے بولے "جان پدر! تم نہ سمجھ سکو گے تم بہت کمسن ہو۔ تم اپنے بابا کا درد نہ جان سکوں گے۔ لیکن جنیدؒ بغدادی نے اپنا اصرار جاری رکھا۔ اور جب باپ نے محسوس کیا کہ یہ ننھا سا معصوم بیٹا جب تک وجہ نہ جان لے گا پیچھا

چھوڑنے والوں میں سے نہیں مجبورا" بتانے لگے کہ کس طرح آج وہ زکوۃ کا مال لے کر اس کے ماموں کے پاس گئے تھے۔ لیکن اس نے صاف انکار کر دیا۔ گویا عمر بھر میں اس بات پر نازاں رہا کہ میں اللہ اور رسولؐ کے فرمان کے مطابق حق حلال کی کمائی کر رہا ہوں۔ وہ اس قدر مشتبہ ہے کہ خدا کے نیک بندے اس سے دور رہنا پسند کرتے ہیں۔ باپ کی بات سن کر جنید بغدادی نے شگفتگی سے کہا بس بابا جان ---- اتنی سی بات کے لئے آپ یوں رو رہے تھے۔ لائیں مجھے دیں زکوۃ کا وہ مال میں خود ماموں کے پاس لے جاتا ہوں۔ باپ نے بیٹے کے چہرے پر جو معصومیت میں بسی عزم کی یہ کیفیت دیکھی تو دل میں بیٹے کا پیار امڈ آیا اور چاہت بھرے لہجے میں بولے! کیوں نہیں میرے بچے ---- اگر تیرے ہاتھوں سے ماموں زکوۃ کا مال لے لیتا ہے تو اس سے بڑھ کر اور کیا بات ہو گی میرے دل کو بھی قرار آ جائے گا۔" چنانچہ انہوں نے زکوۃ کا مال دے کر بیٹے کو شیخ سقطیؒ کے گھر طرف بھیج دیا۔ حضرت جنید بغدادیؒ نے ماموں کے گھر پہنچ کر دروازہ کھٹکھٹایا تو اندر سے شیخ سقطی خود باہر نکلے۔ باہر بھانجے کو کھڑا دیکھا تو خوشی اور مسرت سے اسے گود میں اٹھا لیا۔ پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا جنید میرے بچے آج تو کیسے آ گیا ہے؟ جنید نے سنجیدگی سے کہا "ماموں آپ نے بابا کو جو زکوۃ کا مال لوٹا دیا تھا۔ وہ میں آپ کو دوبارہ دینے آیا ہوں" یہ سن کر شیخ سقطی کے چہرے پر درشتی کے آثار ابھر آئے اور ذرا تلخی سے کہا " جب میں ایک مرتبہ انکار کر چکا ہوں تو پھر تمہارے بابا نے تمہیں دوبارہ کیوں بھیجا ہے میرے پاس؟" جنید نے ماموں کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا ماموں اسے آپ کو قبول کرنا ہی ہوگا۔ خدا کے نام پر اس خدا کے نام پر جس نے آپ کو اپنے فضل سے نواز رکھا ہے۔ اور میرے باپ سے عدل کر رکھا ہے۔ شیخ سقطیؒ معصوم بھانجے کی زبان سے یہ بات سن کر حیرت زدہ رہ گئے۔ انہیں اپنے کانوں پر یقین نہ آ رہا تھا۔ کہ ننھی سی جان انہیں یہ سب سمجھا رہی ہے۔ پھر دل میں خیال پیدا ہوا کہ کہیں باپ نے تو پڑھا کر نہیں بھیجا۔ سو یہ جاننے کے لئے انہوں نے جنید کو پیار سے گود میں بٹھاتے ہوئے پوچھا "جنید میرے بچے ذرا مجھے سمجھانا تو کہ خدا نے کس طرح مجھ پر اپنا فضل کر رکھا ہے اور تمہارے بابا پر عدل۔"

جنید بغدادی یہ سن کر ماموں کی طرف سر جھکا کر آہستہ آہستہ کہنے لگے۔ ماموں! اللہ نے آپ کو پرہیز گار اور متقی بنا کر درویشی عنایت کی۔ یہ آپ پر خدا کا فضل ہے۔ جب کہ اسی خدا نے میرے بابا کو دنیاوی کاروبار میں اس قدر عروج عطا کیا ہے کہ آج وہ مال پر خدا کے نام پر زکوۃ دیتے ہیں۔ اور یہ اللہ کا عدل ہے۔ میرا باپ زکوۃ کا یہ مال حق داروں تک خدا کے نام پر پہنچاتا ہے حقداروں کی مرضی وہ اسے قبول کریں یا نہ کریں لیکن میرا بابا اپنا حق ادا کرتا رہے گا۔ یہ سن کر شیخ سقطیؒ کے چہرے پر حیرت و مسرت کے تاثرات پیدا ہو گئے۔ بے خود ہو کر بھانجے کو آغوش میں بھر لیا اور بولے۔ زکوۃ کا مال وصول کرنے سے پہلے میں کیوں نہ تمہیں اپنی ملکیت میں لے لوں۔

ایک مرتبہ بچپن میں جب جنیدؒ بغدادی کی عمر صرف سات آٹھ سال تھی۔ آپ شیخ سقطیؒ کے ساتھ حج پر تشریف لے گئے حج کے عرصہ میں آپ شیخ سقطی کے ساتھ مختلف مجالس میں بھی شرکت کرتے رہے۔ ایک دن آپ اپنے مرشد کے ساتھ حرم میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے چار صوفیا کرام کو شکر کے موضوع پر بحث میں مصروف پایا۔ آپ غور سے ہر صوفی کے خیالات سنتے جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ سبھی نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ حضرت شیخ سقطی بھی بغور اپنے بھانجے پر نظر رکھے اسے تک رہے تھے۔ اور ساتھ ساتھ صوفیا کی باتوں کو بھی سنتے جا رہے تھے اس لئے جو نہی وہ چاروں صوفیاں جنہوں نے شکر کے مسئلے پر اپنے اپنے خیالات پیش کئے تھے۔ خاموش ہوئے تو شیخ سقطی نے اپنے بھانجے جنید کو حکم دیا کہ تم بھی شکر کے مسئلے پر اپنا نقطہ نظر بیان کرو۔ سبھی بزرگوں کی نظریں آپ

پر جم گئیں۔ اور سات آٹھ سالہ معصوم بچے کو حیرت سے دیکھنے لگے۔ جس پر سرپرست نے اسے علمائے دین کے سامنے اپنا نظریہ پیش کرنے کے لئے کہا تھا۔ حضرت جنید بغدادی نے سر جھکایا اور کہنا شروع کیا "بزرگو! میرے پاس وہ الفاظ ہی نہیں کہ میں شکر پر اظہار خیال پیش کر سکوں۔ میں تو بس اتنا جانتا ہوں کہ جب ہمیں ہمارا واحد پروردگار کوئی نعمت عطا کرتا ہے تو ہم اسے اپنے اللہ کی نعمت سمجھ کر اس کا شکر ادا کریں کیونکہ وہی نعمتوں سے نوازنے والا ہے۔ وہی نعمت کا منبع ہے۔ پس ہمیں اسی کے احکام کی تعمیل میں خود کو وقف کر دینا چاہیے۔ مجلس میں موجود صوفیا نے ایک معصوم بچے کے منہ سے جب اس قدر واضع شکر کی تشریح سنی تو بلند آواز میں پکار اٹھے۔ بے شک یہ مفہوم بر حق ہے شکر کا۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں ایک بچے سے شکر کی رمز سے آگاہ کروایا۔

اسی طرح ایک مرتبہ ایک نوجوان حضرت شیخ سقطیؒ کے حضور حاضر ہوا اور رو رو کر کہنے لگا۔

حضرت مجھ سے ایک گناہ عظیم ہو گیا ہے۔ اب کسی پل چین نہیں۔ خدا کے حضور معافی مانگتا ہوں۔ گڑ گڑاتا ہوں لیکن دل مطمئن نہیں۔ نجانے میری توبہ قبول بھی ہوئی ہو گی کہ نہیں۔ آپ کو خدا کا واسطہ مجھے توبہ کی حقیقت سے آگاہ کریں۔ شیخ سقطیؒ نے غور سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ "نوجوان! توبہ کا مطلب یہ تو نہیں کہ تو اپنا گناہ ہی بھول جائے۔ یہ سن کر نوجوان بیچارگی سے مزید رونے لگا اور آنسوؤں سے لبریز آنکھیں اٹھا کر شیخ کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔ "گویا میں گناہ کر کے ایک دلدل میں اتر گیا ہوں۔ میرا نکلنا دشوار ہی نہیں ناممکن ہے۔ اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارنا میرا مقدر بن چکا ہے۔" یہ کہہ کر پھر رونے لگا۔ شیخ سقطیؒ اسے خاموشی سے دیکھتے جا رہے تھے۔ نوجوان نے آنسوؤں بھرا چہرہ اٹھا کر دوبارہ لرزتی ہوئی آواز میں شیخ سے پوچھا۔ "شیخ! لیکن توبہ کا مطلب ہی یہی ہے کہ انسان اپنے گناہ بھلا دے۔"

آپ کی یہ بات سن کر حضرت سقطیؒ نے غصے کے عالم میں جنیدؒ پر نظر ڈالی۔ جنیدؒ بغدادی نے آپ کی نظروں کا مفہوم سمجھ لیا۔ سو سر جھکا کر ادب سے بولے۔ "مرشد! میں خیال کرتا ہوں کہ یہ بات برحق ہے کہ اگر ایک انسان کے اللہ سے تعلق خراب ہو جائیں اور پھر وہ انسان توبہ و استغفار کے ذریعے اپنے پرودگار کو منا لے اور دل میں مطمئن ہو جائے تو اس کا مطلب ہوا کہ تعلق دوبارہ خالق حقیقی سے استوار ہو گیا ہے۔ سو ایسے میں پرانے حالات بھلا دینا ہی بہتر ہوتا ہے۔ اور اسی طرح اپنی پہلی حالت کا خیال دل میں لانا اچھا نہ ہو گا۔"

شیخ سقطیؒ نے آپ کی وضاحت سنی تو سر جھکا کر اعتراف کر لیا اور کہا۔ "جنید بغدادیؒ میرے بیٹے! تم نے سچ کہا۔ میں واقعی غلطی پر تھا۔"

ایک مرتبہ جنید بغدادیؒ اپنے حجرے میں مخصوص مریدوں کو توحید کے موضوع پر درس دے رہے تھے۔ اب یہ آپ کا معمول ہی بن گیا تھا۔ آپ نے احتیاط کے طور پر صرف مخصوص شاگردوں میں ہی اٹھنا بیٹھنا رکھا تھا۔ نہ سماع سنتے تھے نہ وجد کرتے تھے۔ چنانچہ اس دن جب آپ بیٹھے مریدوں کو توحید کا درس دے رہے تھے کہ ایک مرید ضبط نہ کر سکا اور زور سے اللہ ہو کا نعرہ بلند کیا۔ یہ سن کر آپ نے سخت بیزاری کا اظہار کیا اور مرید کو پاس بلا کر ہدایت کی کہ وہ آئندہ اس کم ظرفی کا مظاہرہ کرنے سے پہلے محفل سے اٹھ کر باہر نکل جائے۔ تھوڑی دیر بعد آپ نے پھر وہیں سے سلسلہ شروع کیا جہاں سے مرید کی دخل اندازی کے سبب ٹوٹا تھا۔

جوں جوں آپ درس دیتے جاتے "اللہ ہو" کا نعرہ لگانے والا مرید بے چینی سے پہلو بدلتا رہا۔ زبان پر قابو رکھنے کی بہت کوشش کرتا رہا مگر ضبط کا یارانہ نہ رہا اور پھر ایک دم کھڑے ہو کر اللہ ہو' اللہ ہو پکارنے لگا۔ آپؒ کو اس کی یہ دخل اندازی بہت بری لگی۔ اور دکھ کے ساتھ مریدوں سے کہا۔ "کم ظرف لوگوں کو ایسی مجالس میں شرکت

کرنا ہی نہیں چاہئے۔ مجھے افسوس ہوا اس نوجوان کی حرکت پر۔" یہ کہتے ہوئے انہوں نے نوجوان پر نظر ڈالی تو وہ نظروں کی تاب نہ لاتے ہوئے وہیں تڑپ تڑپ کر مر گیا۔

ایک رات حضرت جنید بغدادیؒ کا اچانک عبادت سے دل اچاٹ ہو گیا۔ بہت کوشش کی لیکن خود کو یاد الٰہی میں گم نہ کر سکے۔ ارتکاز کی ہر کوشش ناکام ہوئی تو ناچار حجرے سے نکل کر باہر جانے لگے تو دیکھا حجرے کے دروازے پر ایک درویش بیٹھا ہے۔ اب معلوم ہوا کہ بے چینی اور بے قراری کا کیا راز تھا۔ آپ نے اس سے فرمایا۔ "اچھا تو تم میرا انتظار کر رہے ہو؟ تمہارے اس انتظار نے میری پوری رات کی عبادت ضائع کر دی۔ خیر کہو! کس وجہ سے انتظار کر رہے ہو۔ کیا پوچھنے کی جسارت پر ہو؟"

درویش بولا۔ "حضرت صرف اتنا بتا دیجئے کہ نفس کا علاج کیسے کیا جائے؟"

یہ سن کر آپؒ بول اٹھے۔ "نفس کو ہر سانس پر اس حد تک کچل کچل کر ختم کر ڈالو کہ اس میں اتنی طاقت ہی نہ رہے کہ وہ ایمان کی شکل اختیار کرے۔"

آپ نے پہلے سنت و حدیث کی تعلیم حاصل کی پھر تصوف میں عروج کے لئے ریاضتوں اور مجاہدوں کو اپنایا۔

بغداد کے اہل علم آپ کی علمیت و قابلیت سے پوری طرح آگاہ تھے۔ اس لئے اہل علم آپ کے سامنے زبان کھولنے سے ڈرتے تھے۔ آپ لوگوں میں ایک محتاط اور بامروت انسان کے طور پر مشہور تھے۔ لیکن یہ بات سبھی کے علم میں تھی کہ جہاں تک دینی معاملات کا تعلق ہے آپ کسی کا لحاظ نہیں کرتے۔ اور اس سلسلے میں صاف گوئی سے کام لینے کے عادی تھے۔

ایک دن جنید بغدادیؒ بازار میں سے گزر رہے تھے کہ دیکھا ایک جگہ مجمع لگا ہوا ہے۔ اور لوگوں کی بڑی تعداد مجمع میں کھڑے علماء کی بحث کو بڑے غور اور توجہ سے سن رہی ہے۔ آپ نے تجسّس میں مبتلا ہو کر لوگوں سے پوچھا۔ "یہ کون لوگ ہیں اور کیا کہہ رہے ہیں؟" لوگوں نے آپ کو جواب دیا۔ "حضرت! یہ بزرگ وہ لوگ ہیں جو ثابت کر رہے ہیں کہ خدا میں مخلوق کی کوئی صفت نہیں اور نہ ہی وہ عیب رکھتا ہے۔ ہر قسم کا عیب و نقص اس سے دور ہے۔"

یہ سن کر آپ مسکرائے اور بولے بھلا سفید کو سفید نہیں کہیں گے تو اور کیا کہیں گے؟ کالا ---- کالا ہی کہلائے گا۔ اور سبھی کو اس کا علم ہے۔ پھر یہ لوگ کیوں کھڑے، وقت برباد کر رہے ہیں۔ یہ تو خود ان کی وضاحت و بلاغت میں عقلی نقص کی دلیل ہے۔ کیا انہیں اور کوئی کام نہیں؟"

حضرت جنید بغدادیؒ کہا کرتے تھے کہ ترک دنیا کا یہ مطلب ہر گز نہیں لیا جا سکتا کہ انسان موٹے کپڑے پہن لے یا جو کی روٹی کھانا شروع کر دے۔ عالی شان گھروں سے منہ موڑ لے۔ جنگلوں کی راہ لے اور بیابانوں کو اپنا مسکن بنا لے۔ یہ ہر گز درست نہیں اور نہ ہی کوئی باہوش انسان اسے ترک دنیا قرار دینے کی ضد کرے گا۔ ترک دنیا تو اسے کہتے ہیں کہ دنیا میں رہو۔ لذیذ غذائیں کھاؤ لیکن جو ذائقہ محسوس ہو وہ جو کی روٹی کا محسوس ہو۔ مخمل بھی پہنو تو ٹاٹ کا گمان ہو۔ بھرے پرے بازاروں میں بھی سفر کرو تو یوں لگے کہ سنسان و بیابان ریگستان کا سفر کر رہے ہو۔

ایک رات حضرت جنیدؒ کے پاؤں میں سخت تکلیف محسوس ہوئی۔ جب درد آپ کی برداشت سے باہر ہو گیا اور کسی صورت ضبط نہ رہا تو سورۂ فاتحہ پڑھ کر جو پاؤں پر پھونکا، درد تو غائب ہو گیا مگر ساتھ ہی آواز آئی۔ "جنید حیرت ہے تو نے اپنے نفس کی خاطر ہمارے کلام کو استعمال کیا۔" یہ سن کر آپ اس قدر نادم ہوئے کہ تمام عمر ایسا فعل نہ کیا اور خدا سے کچھ نہ مانگا۔ یہی کہا کرتے۔ "رب العزت جیسا تو چاہتا ہے وہ کرنے میں ہی میری عاقبت سنورتی ہے۔ اور مجھے مسرت حاصل ہوتی ہے۔"

جنید بغدادیؒ کو اپنے ایک مرید سے بے انتہا محبت تھی۔ چنانچہ دوسرے مرید اسے حسد و رشک کی نگاہ سے دیکھا کرتے۔ ایک مرتبہ آپ نے اپنے سبھی مریدوں کو ایک

ایک پھل دے کر کہا۔ یہ پھل کھاؤ لیکن ایسی جگہ جہاں تمہیں کوئی نہ دیکھ رہا ہو۔ مرید پھل لے کر چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد جب ان کی واپسی ہوئی تو سبھی خالی ہاتھ واپس لوٹے صرف وہی مرید پھل لئے واپس آ گیا جس سے آپ بے انتہا محبت کرتے تھے۔ اس نے اپنے مرشد سے کہا۔

"حضرت میں نے ہر ممکن کوشش کی کہ کسی جگہ چھپ کر یہ پھل کھا لوں اور آپ کے حکم کی تعمیل ہو۔ لیکن میں جس جگہ بھی جاتا وہاں خداوند تعالیٰ کی نظریں پہنچ رہی ہوتی تھیں۔ مجھے بہت تلاش کے باوجود بھی ایسی کوئی جگہ نہ ملی جہاں بیٹھ کر پھل کھا لیتا۔ اس یقین کے ساتھ کہ یہاں خدا موجود نہیں۔ یہ بات سن کر تمام مریدوں کے سر شرم سے جھک گئے اور رشک سے تائب ہو گئے۔

ایک دن حضرت جنید بغدادی کی آنکھ میں کچھ ایسا زخم پیدا ہوا کہ طبیب نے معائینہ کرنے کے بعد کہہ دیا کہ حضرت اب اس کا علاج یہی ہے کہ آپ اس آنکھ کو پانی سے بچا کر رکھیں۔ ورنہ پانی پڑنے کی صورت میں بینائی زائل ہونے کا امکان ہے۔ یہ سن کر آپ مسکرا پڑے اور اپنے ساتھیوں سے کہنے لگے۔ ادھر تو نذرانہ جان لئے کھڑے ہیں اور یہ طبیب بینائی جانے سے ڈرا رہا ہے۔

چنانچہ آپ نے غیر مسلم طبیب کی بات کا بالکل خیال نہ کیا اور وضو کر کے عشاء کی نماز پڑھنا شروع کر دی اور حسب معمول ساری رات عبادت میں گزاری۔ اگلے روز جب طبیب معائینے کے لئے آیا تو اس نے حیرت سے آپ کی طرف دیکھا اور پوچھا حضرت یہ آنکھ ایک ہی رات میں کیسے درست ہو گئی؟

وضو کرنے سے جنید بغدادی نے اطمینان بھرے لہجے میں اسے جواب دیا۔ یہ سن کر طبیب بہت شرمندہ ہوا اور صدق دل سے اسلام پر ایمان لے آیا۔

وفات کا وقت آیا تو آپ کی زبان پر اللہ کا ورد جاری تھا۔ آخری سانس میں آپ نے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھا اور ہمیشہ کے لئے دنیا سے پردہ کر کے خدا سے جا ملے۔

بروز شنبہ ۲۷ رجب ۲۹۷ ہجری کو آپ کا وصال ہوا اس دن بغداد پر ایک بیکراں سے سناٹے کا راج تھا۔ ہر شخص جہاں جس حالت میں بھی تھا عقیدت سے دوڑ کر آپ کے جنازے میں شریک ہوا۔ ہجوم گریہ و زاری کرتے آپ کو آپ کی ابدی آرام گاہ تک لے گئے۔

ام المومنین حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم کو جب دو باتوں میں سے ایک کے انتخاب کا اختیار دیا جاتا تو آپؐ آسان بات کا انتخاب فرمایا کرتے بشرطیکہ وہ بات گناہ نہ ہو۔ اگر وہ آسان بات گناہ ہو تو پھر آپؐ اس سے سب لوگوں سے زیادہ دور رہنے والے ہوتے تھے اور نبی کریمؐ نے اپنی ذات کے لیے کبھی انتقام نہیں لیا۔ ہاں! مگر اس وقت ضرور انتقام لیتے تھے جب اللہ تعالیٰ کے احکام کا احترام معرض خطر میں ہوتا۔

دعائے مغفرت

سرگودھا کے ساتھی خوشی محمد کھوکھر کے والد محترم ۲۴ رمضان المبارک کو وفات پا گئے ہیں۔

گلگت کے ساتھی افتخار احمد کے والد محترم ۲۲ دسمبر ۱۹۹۳ء کو وفات پا گئے ہیں۔

منڈی بہاؤالدین کے ساتھی محمد وارث کے والد محترم وفات پا گئے ہیں۔ ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی اپیل کی جاتی ہے۔